



دنیا کے طالب کے لیے دنیا آگئی!

پیر پگارا رحمۃ اللہ علیہ جو میرے شجرہ میں چوتھے نمبر پر آتے ہیں ان کا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ ان کی اہلیہ محترمہ کا پاجامہ پھٹ گیا اس نے عرض کی کہ پاجامہ پھٹ جانے کی وجہ سے نماز میں نقص پیدا ہوتا ہے اور پاجامہ بنا دینے کی سفارش کی۔ اس پر حضرت ناراض ہو گئے کہ مجھ سے کیوں کہا اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں مانگا اور کئی دن تک گھر میں تشریف نہیں لے گئے اس کے بعد کہیں سے سوسی کا تھان آیا تو اس کو لے کر اندر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ دنیا کے طالب کے لیے دنیا آگئی ہے۔

(حضرت لاہوری قدس سرہٗ)

22-6-79

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا حمید الرحمٰن صاحب

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَّسْتَجِیْبَ اللّٰہُ لَہٗ عِنْدَ الشَّدَآئِدِ فَلْیُکْثِرِ الدُّعَآءَ فِی الرَّخَآءِ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی کو یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ مصائب میں اس کی دعا قبول کرے اُسے چاہیے کہ خوشی کے دوران کثرت سے دعا کیا کرے

تشریح

ہر انسان پر دو طرح کے ادوار آتے ہیں — ایک خوشی کا دَور اور دوسرا غم کا دَور۔ ثانی الذکر چونکہ ایک بے تابی کی حالت ہوتی ہے انسان ایسی حالت میں اپنے بدترین دشمن کے سامنے بھی جھک جاتا ہے اور کبھی درختوں اور پتھروں کے سامنے جبینِ نیاز خم کرتا ہے اور کبھی قبروں اور درگاہوں کی پوجا پاٹ کرتا ہے اور جب کہیں سے کچھ بھی نہیں ملتا ہر طرف سے محرومی ہی محرومی ہوتی ہے تو بامرِ مجبوری خدا کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور اول الذکر خوشی، آسائش، آرام راحت کا دور ہوتا ہے اس میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ نہ خدا کی نہ ماں باپ کی نہ خویش و اقارب کی بلکہ یہ اگر غریب ہوں تو ان سے نفرت کرتا ہے اور تصوّر و عقیدہ خدائی رکھنے والوں کو بُری اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کی پرستش و عبادت کو احمقانہ فعل قرار دیتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ غم اور پریشانی کے دَور میں تو ہر ایک خدا کو پکارتا ہے اب اگر مومن بھی ایسا کرے تو وہ کیسا مومن ہے اس میں اور کافر میں فرق کیا رہ جائے گا اس لیے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ جس طرح غم کے دَور میں خدا کو کثرت سے پکارتے ہو اسی طرح خوشی کے دَور میں بھی اسے کثرت سے پکارو اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ دعا جلد قبول ہوتی ہے کیونکہ شاہی طریقہ ہے کہ جو ملازم ہر وقت دربار میں حاضر رہے اس کی بات جلدی مانی جاتی ہے اور جو گاہ گاہ آئے حاضری دے اس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی بلکہ اسے نکال دیا جاتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک بادشاہ اور اس کے فرمان کی کوئی اہمیت نہیں اور نہ ہی اس کی نگاہ میں بادشاہ کی کوئی قدر و منزلت ہے۔

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں بھی یہی کیفیت ہے کہ جو اس کے فرائض کی تعمیل کرے اس کی دعا بھی زیادہ قبول ہوتی ہے۔



۲۶ رجب ۱۳۹۹ھ ٭ ۲۲ جون ۷۹ء
جلد ۲۴ ٭ شمارہ ۵۱

رئیس الادارہ
پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہٗ

مدیر منتظم : میاں محمد اجمل قادری
مدیر : سعید الرحمٰن علوی
مدیر معاون : صالح محمد حضروی

بدل اشتراک: سالانہ ۶۰/۰۰ روپے ، ششماہی ۳۰/۰۰ روپے
سہ ماہی ۱۵/۰۰ روپے - فی پرچہ ۱/۵۰

ملک کی فکر کون کریگا ؟

گذشتہ دنوں خان عبدالولی خان نے ایک ہندوستانی اخبار "انڈین ایکسپریس" کے نمائندے "کلدیپ نیئر" کو جو انٹرویو دیا ہے" اس کی تفصیلات انتہائی لرزہ خیز ہیں۔

اندازہ یہ ہوتا ہے کہ ملک کی قسمت سے کھیلنے والے ایک عرصہ سے کھیل رہے ہیں اور کوئی ان سے پوچھنے والا نہیں۔

ولی خان کے انٹرویو میں ایوب سے کر بھٹو تک پر سنگین الزامات ہیں اور ملک کی بندر بانٹ اور اس کے مختلف حصوں کو مختلف ممالک میں بانٹ دینے کی واضح نشاندہی کی گئی ہے۔

وطنِ عزیز ایک ایسی جماعت کی کوششوں سے معرضِ وجود میں آیا جو شملہ وفد کی صدائے بازگشت تھی۔ اور جس نے قومی و ملکی مفادات کے مقابلہ میں شخصی اغراض اور غیر ملکی آقاؤں کے مفادات کو زیادہ اہمیت دی۔

ملک معرضِ وجود میں آیا تو یہاں روزِ اوّل سے سازشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مرزائیوں جیسے شاطر اور فریبی ملکی اقتدار میں شریک کر لیے گئے۔ بعض ذمہ دارانہ مناصب ہندوؤں اور عیسائیوں کے سپرد کر دیے گئے ——— سازشوں کے اسی جلو میں غلام محمد اور سکندر مرزا جیسے نوکر شاہی کے کل پُرزے تخت و تاج پر متمکن ہو گئے۔ سیاسی بزرجمہر سیاسی وفاداریوں کے بدلنے اور ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے میں مصروف رہے ——— مآل کار ملک ۱۹۵۸ء میں فوجی حکمرانوں کے تسلط میں آ گیا۔ اور آج تک کسی نہ کسی شکل

ہیں فوجی حضرات ملک کے دروبست کے مالک ہیں۔ ایوب خاں دس برس تک ملک کے حکمران رہے۔ ان کے دور میں ۱۹۶۵ء کی جنگ ہوئی جس کے حوالے سے آج کل عجیب و غریب انکشافات کا سلسلہ جاری ہے۔ مرحوم فیلڈ مارشل پر ملک کی بندر بانٹ کا الزام لگ رہا ہے تو ادھر مرکزی حکومت ان کے لیے یادگار بنانے کی سوچ رہی ہے۔ ایوب خان آج اس دنیا میں موجود نہیں لیکن ان کو امیرالمومنین کے لقب سے نوازنے والے بعض مذہبی رہنما اور سیاسی وڈیرے موجود ہیں — کیا ملک کے استحکام اور اس کو سازشوں سے بچانے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس صورت حال کی تحقیق کرائی جائے تاکہ قوم کو معلوم ہو سکے کہ اس کے ساتھ کس کس سٹیج پر کیا کیا فریب کیے گئے؟

رہ گئے بھٹو صاحب تو مشرقی پاکستان توڑنے کی حد تک ان کا جرم تو ڈھکا چھپا نہیں لیکن اس سے اگلی بات جو ولی خان نے کہی انتہائی شدید ہے کہ انہوں نے باقی ملک کو مختلف ممالک میں تقسیم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور بقول ان کے اس کے واضح اور ٹھوس ثبوت ان کے پاس موجود ہیں۔ مشرقی پاکستان کا المیہ ہماری قومی زندگی کا المناک ترین المیہ تھا۔ لیکن وا حسرتا کہ آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس المیہ کا ذمہ دار کون ہے؟ مجیب الرحمن پیہم سازشوں کا شکار ہو کر اپنی زندگی تک سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ مسٹر بھٹو ایک "نواب" کی موت کے چکر میں عدالتی مراحل سے گذر کر تختۂ دار پر لٹک گئے اور قوم اب تک سوچ رہی ہے کہ مشرقی پاکستان کے قاتلوں کو کب کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا؟

اس ڈرامہ کا ایک ایکٹر یحییٰ خان موجود ہے، ٹکا خان سمیت بعض دوسرے فوجی موجود ہیں لیکن نہ حمود کمیشن کی کوئی بات کرتا ہے اور نہ ان سے پوچھا جاتا ہے۔ جب مسٹر بھٹو کے سیاسی وارثوں کو پوری طرح کھل کھیلنے کی اجازت ہے — اس پس منظر میں جب موجودہ صورت حال کو دیکھا جاتا ہے تو دل ہی دل ہلا دینے والی ہے ملک میں موجودہ حکومت اور سیاسی قیادت کے درمیان اختلافات کی خلیج روز بروز بڑھ رہی ہے۔ مذہبی قیادت کے ایک حصہ نے مذہب جیسی مقدس چیز کو فساد و انتشار کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ حکومت کے بعض ذمہ دار عناصر کھلے بندوں اس مذہبی فرقہ واریت کو ہوا دے رہے ہیں — دوسروں کی مساجد پر قبضہ، مساجد میں ہنگامہ آرائی اور مار پیٹ کا عمل زوروں پر ہے اور حکومت ٹس سے مس نہیں ہو رہی۔ اگر یہی شب و روز رہے تو پھر ولی خان کا کہنا غلط نہ ہو گا اور ملک بربادی کا شکار ہو جائے گا۔

ہم پورے درد دل کے ساتھ ارباب حکومت، ارباب سیاست اور مذہبی قیادت سے درخواست کرتے ہیں کہ ملک کی فکر کریں ورنہ نہ تمہارا تاج قیادت ہو گا اور نہ تم — علوی ۲۲ رجب ۹۹

خطبۂ جمعہ

ضبط و ترتیب | ڈاکٹر مناظر حسین نظر

عدل و انصاف، مساوات اور جرائم کا استیصال اسلامی سزاؤں کی روح ہے!

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبید اللہ انور مدّ ظلہم ○

الحمد للہ وکفیٰ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:-

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی - (پ ۲ س البقرہ آیت ۱۷۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! مقتولوں میں برابری کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے۔

حاشیہ شیخ الہند قدس سرہ

زمانہ جاہلیت میں یہود اور اہل عرب نے یہ دستور کر رکھا تھا کہ شریف النسب لوگوں کے غلام کے بدلے رذیل لوگوں کے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو اور ایک آزاد کے بدلے دو کو قصاص میں قتل کرتے تھے حق تعالیٰ نے اس آیۃ میں حکم دیا کہ اے ایمان والو! ہم نے تم پر مقتولین میں برابری اور مساوات کو فرض کر دیا۔ قصاص کے معنی لغت میں برابری اور مساوات کے ہیں۔ تم نے جو یہ دستور نکالا ہے کہ شریف اور رذیل میں امتیاز کرتے ہو یہ لغو ہے جانیں سب کی برابر ہیں، غریب ہو یا امیر، شریف ہو یا رذیل، عالم و فاضل ہو یا جاہل، جوان ہو یا بوڑھا اور بچہ، تندرست ہو یا بیمار قریب المرگ، صحیح الاعضاء ہو یا اندھا لنگڑا۔

حاصل مساوات اور عدل و انصاف اسلامی قانون کی بنیادی شق ہے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے:

وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ٥

(پ ۲ - س البقرہ - آیت ۱۷۹)

اور تمہارے لیے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقلمندو تاکہ تم بچتے رہو۔

حاشیہ شیخ الہند رح یعنی بظاہر نظر اگرچہ بھاری معلوم ہو لیکن عقل مند سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حکم بڑی زندگانی کا سبب ہے کیونکہ قصاص کے خوف سے ہر کوئی کسی کو قتل کرنے سے رکے گا تو دونوں کی جان محفوظ رہے گی اور قصاص کے سبب قاتل اور مقتول دونوں کی جماعتیں بھی قتل سے محفوظ اور مطمئن رہیں گی۔ عرب میں ایسا ہوتا تھا کہ قاتل اور غیر قاتل کا لحاظ نہیں کرتے تھے جو ہاتھ آ جاتا مقتول کے وارث اس کو قتل کر ڈالتے تھے اور فریقین میں اس کے باعث ایک خون کی وجہ سے ہزاروں جانیں ضائع ہونے کی نوبت آتی تھی جب

قاتل ہی سے قصاص لیا گیا تو یہ تمام جانیں بچ گئیں۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قصاص قاتل کے حق میں باعثِ نجاتِ اُخروی ہے۔

خلاصہ

یہ ہے کہ قصاص کا قانون عدل اور مساوات کا قانون ہے۔ یہ ضامن ہے۔ جب اس قانون پر عمل ہوگا تو عدل و انصاف کی روح ہماری امّت میں پیدا ہو جائیگی اور آئین پسندی باہم صلح امّت کی زندگی کا ایک اہم پہلو اور جزو بن جائے گی۔

حضرات محترم! یہ صرف عرب معاشرہ کا ذکر نہیں کہ ایام جاہلیت میں ایک قتل کے بدلے کئی ناحق قتل ہو جاتے تھے بلکہ آج کل بھی یہ وبا عام ہے۔ ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ ایک قتل کئی خاندانی دشمنیوں اور عداوتوں کا باعث بن جاتا ہے۔ اور یہ دشمنیاں اور عداوتیں نسلاً بعد نسل چلتی رہتی ہیں اور اس طرح کئی بے گناہ جانیں ایک جان کے بدلے میں تلف ہو جاتی ہیں۔ لیکن قصاص کے نتیجے میں یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

قتل قابلِ رضامندی جرم ہے

آپ جانتے ہیں کہ جرائم دو طرح کے ہیں قابل رضامندی اور ناقابلِ رضامندی۔ لیکن موجودہ دور کے قوانین اور انگریز کا چھوڑا ہوا سیاہ قانون تمامتر اسلام کی متعین کردہ راہ سے مختلف ہے موجودہ قوانین میں قتل قابلِ رضامندی جرم نہیں لیکن اسلام کی رو سے قتل قابلِ رضامندی جرم ہے۔

تعزیراتِ اسلامی کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہے کہ وہ جرائم کی روح کو ختم کرتا ہے اور استیصالِ جرائم پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اسلام کے نزدیک ان جرائم کی سزائیں شدید سے شدید تر ہیں جو انسان کے ننگ و ناموس اور جان و مال کی تباہی و ضیاع کا باعث ہیں اور جو دیگر جرائم کے ارتکاب کا باعث بنتے رہتے ہیں۔ اور وہ جرائم جو دوسرے جرائم کے اسباب نہیں بنتے یا جن سے اس کا امکان نہیں ہوتا ان کی سزا و جزا اسلام نے ضرر رسیدہ کی رائے اور مرضی پر منحصر کر دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں پہلے جرائم ناقابلِ ضمانت و راضی نامہ ہیں اور دوسری قسم کے جرائم میں راضی نامہ ہو سکتا ہے۔

موجودہ قانون کا بنیادی نقص

اسلام نے قتل کی چار قسمیں رکھی ہیں۔ (۱) قتل عمد، (۲) قتل شبہ (۳) قتلِ خطا (۴) قتل بہ سبب ——— ہر ایک کی تعریف میں قلتِ گنجائش مانع ہے۔ تاہم اس کے متعلق بتا دینا ضروری ہے کہ اسلام نے قاتل کی سزا قتل ہی نہیں رکھی بلکہ ورثائے مقتول کو اختیار دیا ہے کہ خواہ وہ معاف کر دیں خواہ معاوضہ لے لیں اور خواہ قتل کرا کے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لیں لیکن موجودہ قانون ورثاء کو کوئی اختیار نہیں دیتا۔ ظاہر ہے کہ موجودہ قانون کا یہ نقص کئی مزید جانوں کے قتل کا سبب بن جاتا ہے اور دشمنی کی جڑیں پھیلتی رہتی ہیں۔

اسلامی قانون کی روح

موجودہ قانون سے نہ حکومت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور نہ ورثاء کو بلکہ ایک کی جگہ کئی قتل ہو کر بھی معاملہ وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ لیکن اسلام کہتا ہے کہ ورثاء کو معاوضہ دلایا جائے اور

معاوضہ کا تعین بھی انہیں پر چھوڑ دیا جائے تاکہ ان کے نقصان کی کسی حد تک تلافی ہو جائے البتہ اگر وہ معاوضہ پر راضی نہ ہوں تو قتل ہی انصاف ہے۔ یہاں ایک حقیقت اور بھی سمجھنے اور سوچنے کے قابل ہے کہ قتل "ام الجرائم" کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ یہ اکثر اشتعال میں ہوتا ہے اور اگر اشتعال کو فرو کر دیا جائے، اور بنیادی وجہ ختم کر دی جائے تو اس کا سدِّباب ہو جاتا ہے اور یہی اسلامی قانون کی روح ہے کہ جرم کی جڑ کٹ جائے۔

جزئیات کی سزا

قتل کے بعد اسلام میں ضربِ شدید، ضربِ خفیف اور نقصان رسانی کی بھی یہی صورت ہے کہ ضرر اٹھانے والے کو اختیار ہے کہ وہ معاف کر دے یا قصاص طلب کرے۔ اور در اصل مظلوم کی دادرسی ہی قانون اور عدالت کا مفہوم و مقتضاء ہونا چاہیے۔ جسے صرف اور صرف اسلام ہی صحیح معنوں میں اس کی روح کو سامنے رکھ کر پورا کرتا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی بہت ضروری ہے۔ بعض نادان اور دین دشمن لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ معاوضہ کی ادائیگی کی صورت میں مالدار لوگ ہمیشہ روپیہ کے زور سے بچ جایا کریں گے لیکن یہ بات قطعاً غلط ہے۔ وہ ایک طرف مظلوم کی دادرسی جو انسانیت کی روح ہے اس پر ضرب کاری لگاتے ہیں اور دوسری طرف اس حقیقت سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں کہ اس سارے عمل میں بنیاد اصل میں ضرر رسیدہ کی مرضی ہے۔ وہ معاوضہ میں اس کی نصف یا تین چوتھائی جائداد بھی طلب کر لے یا وہ ہاتھ ٹوٹنے کے بدلہ میں اس کا بھی ہاتھ توڑ دیے جانے کی درخواست کرے تو عدالت اس میں بالکل مداخلت نہ کرے گی بلکہ وہ تو اس کی مرضی کے مطابق حکم منوائے گی۔ کتنا مفید حکم ہے جس سے ایک کنگال سے کنگال اور مالدار سے مالدار دونوں خائف رہتے ہیں اور بات بات پر آج کل کی طرح فوجداری پر آمادہ ہو جانے سے لرزتے رہتے ہیں۔

ڈکیتی کی سزا اور اسلام

اسلام کے نزدیک ڈکیتی سنگین ترین جرائم میں سے ہے ڈاکو نے چند پیسے چھینے ہوں یا ہزاروں کا ڈاکہ ڈالا ہو اسلام میں کسی رعایت کا مستحق نہیں۔ ہر صورت میں اس کا داہنا ہاتھ اور داہنا پاؤں کاٹے جائیں گے۔ اور اگر اس پر قتل بھی ثابت ہوگا، تو ورثائے مقتول کے معاف کرنے اور معاوضہ پر راضی ہونے پر بھی اس کی جان بخشی نہ کی جائے گی۔ کیونکہ عام قتل تو فوری اشتعال، غصہ اور اتفاقی غلطی کی بناء پر ہی ہوتے ہیں اس لیے ورثاء کو معاوضہ لینے اور قاتل کو بچنے کے مواقع ہوتے ہیں لیکن ڈاکو جو کچھ کرتے ہیں عمداً اور عادتاً کرتے ہیں اور ان کا پھر چھوٹ جانا مزید قتل و نہب کا باعث بنتا ہے اس لیے اس کا جرم ہرگز قابل رعایت نہیں ہوتا۔ البتہ اگر ڈاکو ارتکاب جرم سے پہلے گرفتار ہو گیا تو قطع ید کی بجائے اسے قید دوام کی سزا دی جائے گی۔ ہاں اگر وہ توبہ کر لے، اور

حکومت کو اس کے آئندہ نیک چلن رہنے کا پورا اعتماد ہو جائے تو وہ قید سے رہائی پا سکتا ہے۔

ڈاکو جرائم کا باوا ہوتا ہے

موجودہ قوانین میں اگر ڈکیتی کا جرم ثابت ہو جائے تو عدالتیں تو نہیں چھوڑ سکتیں مگر گورنر اور صدر رحم کی اپیل پر چھوڑ سکتے ہیں۔ لیکن اسلام میں قاتل، ڈاکو کے لیے کوئی رعایت نہیں کیونکہ مشاہدہ اس بات کا گواہ ہے اور کائنات کا بنانے والا خالق و مالک تو پہلے ہی خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ ڈاکو صرف مجرم نہیں بلکہ جرائم کا باوا ہوتا ہے۔ وہ ایک ڈاکہ ڈالنے کے لیے کئی گناہوں اور جرائم کا ارتکاب کرتا ہے بلکہ جرائم پر مجبور ہوتا ہے۔ اور چند سالوں کی قید ہرگز اس کا علاج نہیں ہوتی بلکہ جب وہ سزا بھگتنے کے بعد رہا ہوتا ہے تو مزید ڈاکے ڈالنے کے علاوہ وہ دشمنوں سے بھی بدلہ لیتا ہے۔ اور اس طرح جرائم کے انبار لگاتا چلا جاتا ہے — پس اسلام جو قانون فطرت اور خداوند لایزال کا عطا کردہ دستور ہے جرائم کی سنگینی اور خوفناکی کے مطابق سزا تجویز کرتا ہے آج کل جس طرح ڈکیتی کی وارداتیں عام ہوتی چلی جاتی ہیں ان کا واحد حل اسلامی قوانین پر پابندی ہی ہو سکتا ہے۔

اسلام میں ڈکیتی اور زنا سب سے بڑے اور سنگین جرائم ہیں اور یہ ناقابلِ ضمانت اور ناقابلِ رضامندی جرائم ہیں ہیں۔ لیکن موجود قانون میں زنا بہت معمولی جرم ہے اور اس کی سزا بھی کوئی خاص نہیں اور بحالت رضامندی تو زنا سرے سے جرم ہی نہیں رہتا یہی وجہ ہے کہ یورپ، امریکہ اور ان کے توابع محل ملکوں میں اور خود ہمارے ملک میں بداخلاقی، بے حیائی اور فواحش انتہا کو پہنچ گئے ہیں اور بدکاری کی وبا شدید سے شدید تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔

ڈاکو اور زانی درحقیقت دونوں ہی لٹیرے ہیں۔ ڈاکو بالعموم جان و مال کو لوٹتا ہے اور زانی متاعِ ناموس کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے اور شرفاء اور غیرت مند ظاہر ہے ناموس کو جان و مال سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہیں اور سمجھنا چاہیے کیونکہ اگر ناموس اور غیرت اٹھ جائے تو انسان اور حیوان میں فرق ہی کیا رہتا ہے خود خداوند قدوس نے بھی زنا کو انتہائی بیحیائی کا بُرا کام بتایا ہے۔ انا کان فاحشۃ و مقتا۔

زانی اور زانیہ کی سزا

اگر زانی یا زانیہ شادی شدہ ہیں تو ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں سنگسار کر دیا جائے یا ان پر اتنے پتھر مارے جائیں کہ ان میں ڈھک جائیں اور اگر وہ کنوارے ہوں تو پورے سو کوڑے لگائے جائیں گے خواہ ان کوڑوں کی ضربات سے زندہ رہیں یا فوت ہو جائیں۔ البتہ اتنی احتیاط رکھی ہے کہ چار چشم دید اور شرعی گواہ پیش ہو کر شہادت دیں اور پوری تحقیق اور چھان بین کے بعد سزا دی جائے۔

موجودہ قوانین میں "زنا" کی حقیقت سے آنکھیں بند کر لی گئی ہیں کیونکہ بیحیائی اور بدکاری کی رَو میں سب بہے چلے جا رہے ہیں حالانکہ زنا بے شمار دیگر جرائم کو اپنے جلو میں لیے ہوئے ہوتا ہے۔

اسقاطِ حمل، رشک و رقابت
معاندت، چوری، ضرر رسانی،
جنگ و جدال، جھگڑے، فساد،
قتل، ڈکیتی، اغوا، حبسِ بیجا،
مداخلت بے جا، حلف
وغیرہ زنا کے ساتھ لازمی ہیں
ان کے علاوہ صحت جسمانی بھی
برباد ہوتی ہے، امراضِ خبیثہ
لگ جاتے ہیں جن کا اثر
بسا اوقات پشت در پشت
چلتا ہے پھر ایک سے دوسرے
کو اور دوسرے سے تیسرے
کو یہ امراض لگتے رہتے ہیں۔
انسانی نسلیں کمزور اور ضعیف
پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ غرض
ایک زنا صد ہزار مصائب
اور بے شمار اخلاقی، جسمانی اور
اجتماعی معائب کا باعث بن
جاتا ہے۔ اسلام کے نزدیک
زانی زنا کرتے وقت مسلمان
نہیں رہتا۔ اور اگر اس حالت
میں موت واقع ہو جائے تو
وہ موت اسلام پر نہیں کفر
پر ہو گی۔ لیکن موجودہ تہذیب
اتنے خوفناک جرم کو کوئی
اہمیت نہیں دیتی۔ ؎
ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا

شراب خوری

شراب خوری بھی اسلام
میں سنگین جرم ہے اور اسے
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے "ام الخبائث" فرمایا ہے۔
خبائث کی ماں کہا ہے یعنی
جرائم اس کی کوکھ سے پیدا
ہوتے ہیں پس یہ بھی "ام الجرائم"
ہے اور اسی لیے اس کی سزا
بھی سخت ہے۔ اسلام میں
شراب خور کی سزا اسی کوڑے
ہیں لیکن تہذیب جدید نے
اسے بھی عام کر دیا ہے
اور اس کی برائیوں کی طرف
بھی لوگوں کا ذہن بہت کم
منتقل ہوتا ہے۔ حالانکہ مشاہدہ
سے صاف ظاہر ہے کہ صدہا
جرائم کا ارتکاب اسی عادت و
جرم کا رہینِ منت ہے۔ چوری
قمار بازی، خیانت، دروغ گوئی
فضول خرچی اور زنا کی لعنتیں
اس کے لوازمات ہیں۔ بلوے،
جھگڑے اور گالی گلوچ کی جڑ
ہے اور بہو بیٹی کی تمیز اٹھا
دیتی ہے اور ساتھ ساتھ صحت
کو بھی برباد کر دیتی ہے مگر
میخوار بدمست ہو کر پئے جاتے
ہیں۔ اسلام نے اسے روکنے کے
لیے اقدام کئے ہیں۔ خدا کرے
کہ یہ اپنی حقیقی روح کے
ساتھ نافذ بھی ہو جائے اور
اس کے عملی نتائج سامنے آئیں
اللہ تعالیٰ ہم سب کو
نیک کاموں میں اور اسلامی
قوانین کے نفاذ میں ممد و معاون
ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرات محترم! اس میں
شک نہیں کہ اسلام نے بظاہر
جرموں کی سزائیں بہت سنگین
رکھی ہیں لیکن غور سے دیکھا
جائے تو درحقیقت وہ جرم
طالب ہی سنگین سزاؤں کے
ہیں۔ ان کا تقاضا ہی شدید
سے شدید سزائیں ہیں تاکہ وہ
نابود ہو جائیں۔ اگر ان میں کم
سزائیں دی جائیں تو مشاہدہ
سے ثابت ہے کہ وہ جرائم
عام ہو کر سزاؤں کے تصور
سے بھی ہزارہا گنا بھیانک اور
سنگین نتائج کا سبب بنتے
ہیں۔ مزید برآں یہ ہے کہ سزا
کا مقصد جرائم کا انسداد ہوتا
ہے تاکہ جرائم کا فروغ اور
ترویج اور ان کو مذاق اور
شغل بنانا۔ لیکن موجودہ تہذیب
نے ان کو کھیل بنا دیا ہے
اور سزا یاب مجرم۔ جرائم کو کھیل
سمجھ کر مزید جرائم کا ارتکاب
کرتے ہیں جس سے جرائم کی
نشوونما ہو رہی ہے حالانکہ
سزا کے نتیجے میں ان
کی اصلاح ہونی چاہیے تھی۔
اور انہیں عبرت پکڑنی چاہیے
تھی۔ اصلاح اور عبرت صرف
اسلامی سزاؤں سے ہو سکتی

(باقی)

فاتح مصر و فلسطین

سیدنا حضرت عمرو بن العاص رضؓ کی روحِ گرامی کو خراجِ عقیدت

تاج الدین اشعر، نائب مدیر ——— روزنامہ "قومی مورچہ" وارانسی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردِ صالح اور مومن کے لقب سے اور امت نے فاتح مصر اور مدبرِ اسلام کے خطاب سے نوازا۔ تین بار حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مغفرت کی بشارت دی۔ اور ایک مرتبہ ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ پر افسر اعلیٰ مقرر فرمایا آپ کاتب وحی اور عامل رسولؐ بھی تھے۔ ابوبکر صدیقؓ کے منظورِ نظر، عمر فاروقؓ کے پیروکار، عثمان غنیؓ کے وفادار، علی مرتضیٰؓ کے مداح اور امیر معاویہؓ کے دوست تھے۔

لکھنی ہے آج مدحتِ یارانِ مصطفیٰ ۔۔۔ وابستگانِ گوشۂ دامانِ مصطفیٰ
گلہائے عطر بیز گلستانِ مصطفیٰ ۔۔۔ شاہانِ بے کلاہ غلامانِ مصطفیٰ
ناطق شرف پہ جن کے خدا کا کلام ہے
اے خامہ تھم کے چل یہ ادب کا مقام ہے

حسن و جمال و نور کی دنیا نظر میں ہے ۔۔۔ عشق و وفا کی بزم دلآرا نظر میں ہے
جانبازیوں کا طرفہ تماشا نظر میں ہے ۔۔۔ یارانِ مصطفیٰ کا سراپا نظر میں ہے
ہے یہ نبی کے عشق کے ماروں کی انجمن
مہتاب کے جلو میں ستاروں کی انجمن

اس بزم میں فقیر بھی ہیں اور شاہ بھی ۔۔۔ ان میں گلیم پوش بھی ہیں کجکلاہ بھی
عابد بھی، اہل فقر بھی ارباب جاہ بھی ۔۔۔ فاتح بھی، جنگ جو بھی، امیر سپاہ بھی
ہر فرد ان میں اپنی جگہ بے مثال ہے
جو بھی ہے اک خزینۂ فضل و کمال ہے

یہ مقتدا ہیں، قبلہ نما ہیں، امام ہیں ۔۔۔ ہم ان کی خاکِ پا کے بھی ادنیٰ غلام ہیں
گو سب ہمارے واسطے ذی احترام ہیں ۔۔۔ ان کے بحسب فرقِ مراتب مقام ہیں
درجہ کسی کا کم ہے کسی کا زیادہ ہے
ساغر میں جتنا ظرف ہے اتنا ہی بادہ ہے

اس کارواں کی راہ کا میں اک غبار ہوں   اصحابؓ پاک پر دل و جاں سے نثار ہوں
اس فال نیک پر میں تشکر گزار ہوں   آج عمرو بن عاصؓ کا مدحت گزار ہوں
لکھتا ہوں مدح فاتح عالی وقار کی
تھامے ہوئے رکاب ہوں اس شہسوار کی

عزم و ثبات، جرأت و ہمت کے شاہکار   عقل و شعور فہم و فراست کے شاہکار
وہ زہد و انکسار وہ عبادت کے شاہکار   سرکارِ دو جہاں کی محبت کے شاہکار
دینِ خدا کے آپ علمدار خاص ہیں
کشور کشائے مصر و عجم ابن عاصؓ ہیں

لرزہ فگن تھی رزم میں تکبیر آپ کی   خارا شگن تھی ضربتِ شمشیر آپ کی
کشور کشا تھی قوتِ تسخیر آپ کی   تقدیر کی حریف تدبیر آپ کی
تیغ آزما تھے مرد جری تھے دلیر تھے
ہیبت طراز بیشۂ احمدؐ کے شیر تھے

جرأت میں بے مثال، شجاعت میں بے مثال   دانائی و تدبر و حکمت میں بے مثال
تدبیر و انتظامِ حکومت میں بے مثال   دانشوری میں فرد سیاست میں بے مثال
جن کا شمار چند دہاتِ عرب میں تھا
فضل و کمال آپ کا ممتاز سب میں تھا

نکلے حجاز سے سوئے مصر و عجم گئے   ہاتھوں میں دینِ حق کا سنبھالے علم گئے
ہیبت سے ان کی دشت و جبل بھی سہم گئے   جو چڑھ رہے تھے کفر کے طوفان تھم گئے
اعداء کی فوج کے لیے قہر خدا تھے وہ
خاشاک کفر و شرک پر برق بلا تھے وہ

باطل پہ حق کی دھاک بٹھانے کے واسطے   دنیا کے ظلم و جور مٹانے کے واسطے
سب کو خدا کے در پہ جھکانے کے واسطے   انسانیت کی لاج بچانے کے واسطے
جھوٹی خدائیوں کو نگوں سار کر دیا
شاہانِ پُر غرور کو یوں خوار کر دیا

خورشید دینِ پاک کے انوار آپ تھے   انسانیت کے طالع بیدار آپ تھے
دستِ خدا کی تیغ جگر دار آپ تھے   تنہا مثالِ لشکرِ جرار آپ تھے
پیوند کی قبا میں نرالا جلال تھا
قدموں میں تخت و تاجِ شہی پائمال تھا

توحید کے فروغ کا ارماں لیے ہوئے   انسانیت کے درد کا درماں لیے ہوئے
تاریکیوں میں نور کا ساماں لیے ہوئے   نکلے عرب سے ہاتھ میں قرآں لیے ہوئے

باطل کے بتکدوں میں اذانیں پکار دیں
طاغوت کے جگر میں سنانیں اتار دیں

ہم تجھ سے شرمسار ہیں اے فاتح جلیل
جتنا عظیم تو تھا ہیں ہم اتنے ہی ذلیل
تجھ سے جتنے تیری عظمت و شوکت کے سنگ میل
ہیں اب ہماری ذلت و ادبار کی دلیل

باطل نے ہم سے تیری وراثت بھی چھین لی
بیت القدس کی پاک امانت بھی چھین لی

اجڑی ہوئی ہے ملت بیضا کی انجمن
اب ہم ہیں اور مرثیۂ عظمت کہن !
اسلام کی شکست پہ ہے کفر خندہ زن
کس کا گلا خود اپنا ہی بگڑا ہے جب چلن

اپنے کیے کی آپ سزا پا رہے ہیں ہم
پاداش بھی بقدر خطا پا رہے ہیں ہم

مقبول بارگاہ الٰہی ہیں تیری ذات
گر تو دعا کے واسطے اپنے اٹھائے ہاتھ
بن جائے اب بھی اپنی جو بگڑی ہوئی ہے بات
حاصل ہو پھر ہمیں غم و آلام سے نجات

سینوں میں روح طاعت اخلاص جاگ اٹھے
ہر فرد بن کے عمرو بن عاصؓ جاگ اٹھے

(بشکریہ "ندائے سنت" لکھنؤ)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ ختمِ نبوت

پروفیسر حافظ عبدالمجید چکوال

علمائے دیوبند پر جو مختلف الزامات لگائے جاتے ہیں ان میں سے ایک الزام یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت زمانی کے معاذاللہ منکر ہیں اور حضورؐ کے بعد سلسلہ نبوت کے جاری رہنے کو ختمِ نبوت کے منافی نہیں سمجھتے آیئے ہم یہ معلوم کریں کہ یہ الزام کہاں تک درست ہے۔

ختمِ نبوت کا مفہوم

حضرت نانوتویؒ کے نزدیک ختمِ نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ختمِ نبوت زمانی کے ساتھ ساتھ ختمِ نبوت ذاتی یا مرتبی بھی حاصل ہے یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی بھی ہیں اور آپ کا مرتبہ و مقام دیگر تمام انبیاء سے افضل و اعلیٰ بھی ہے اور حضرت نانوتویؒ کا اس سلسلہ میں استدلال یہ ہے کہ کسی نبی کا سب سے آخر مبعوث ہونا بذاتِ خود کوئی فضیلت کی بات نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ امکان ہے کہ اس سے پہلے کوئی ایسا نبی گزر چکا ہو جس کا مرتبہ و مقام اس آخری نبی سے افضل ہو چنانچہ فرماتے ہیں:

"عوام کے خیال میں تو رسول اللہؐ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانے میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔"

(تحذیر الناس ص ۳)

گویا حضرت نانوتویؒ کے نزدیک صرف ختمِ نبوت زمانی کو ماننا اور ختمِ نبوت ذاتی و مرتبی کو نہ ماننا یہ عوام کا نظریہ ہے۔ اور حضرت کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ حضورؐ کی ختمِ نبوت ذاتی کا اور ختمِ نبوت زمانی کا۔ ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار صحیح نہیں، مثلاً صرف ختمِ نبوت ذاتی و مرتبی کو تسلیم کیا جائے اور ختمِ نبوت زمانی کا انکار کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ حضورؐ کے بعد بھی اجرائے نبوت لازم آئے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔"

(تحذیر الناس ص ۱۸)

نیز ارشاد ہے،

"ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے جیسا کہ اس ہیچمداں نے عرض کیا تو پھر سوا رسول اللہؐ اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کی افراد خارجی ہی پر آپ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی۔ افراد مقدرہ پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبویؐ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔" ۔۔۔!

(تحذیر الناس ص ۲۸)

اس عبارت میں حضرت نانوتویؒ یہ بتلا رہے ہیں کہ اگر حضورؐ کو صرف ختمِ نبوت ذاتی حاصل ہوتی ختمِ نبوت زمانی حاصل نہ ہوتی تو اس صورت میں آپ کے بعد کسی نبی کے پیدا ہونے سے خاتمیت پر کوئی حرف

نہ آتا۔ لیکن چونکہ حضورؐ کو خاتمیت زمانی بھی حاصل ہے اس لئے اب کسی نئے نبی کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور کسی نئے نبی کا اقرار سراسر کفر ہے حضورؐ کا آخری نبی ہونا تواتر سے ثابت ہے اور اس پر اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے۔ اس لئے خاتمیت زمانی کا منکر کافر ہے۔

(دیکھو تحذیر الناس ص ۱۳)

ختمِ نبوت ذاتی و مرتبی

ختم نبوت ذاتی یا مرتبی سے حضرت نانوتویؒ کی مراد یہ ہے کہ حضورؐ کا درجہ و مقام تمام نبیوں سے اعلیٰ و افضل ہے۔ کوئی نبی بھی آپ کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ آپ تمام نبیوں کے نبی ہیں۔

ختم نبوت ذاتی یا مرتبی کی وضاحت میں حضرت نانوتویؒ کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ حضورؐ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالفرض ہیں۔ اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے لیکن آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں آپ پر سلسلۂ نبوت مختتم ہوتا ہے۔ غرض آپ جیسے نبی الامۃ ہیں ویسے ہی نبی الانبیاء بھی ہیں۔"

(تحذیر الناس ص ۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ، علمت علم الاوّلین والاخرین

بشرطِ فہم اسی جانب مشیر ہے۔ (ایضاً ص ۶)

"عالم حقیقی رسول اللہؐ ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء اور علماء گذشتہ و مستقبل اگر عالم ہیں تو بالفرض ہیں۔" (ایضاً ص ۸)

"نبوت کمالات علمی میں سے ہے، کمالات عملی میں نہیں۔" (ایضاً ص ۸)

"جب نبوت کمالات علمی میں سے ہوئی اور دربارۂ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موصوف بالذات ہوئی تو دربارۂ نبوت بھی آپ موصوف بالذات ہوں گے۔" (ایضاً ص ۹)

"بالجملہ رسول اللہؐ وصف نبوت میں موصوف بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور انبیاء موصوف بالفرض۔" (ایضاً ص ۱۰)

"تقدم تاخر یا زمانی ہوگا یا مکانی، یا مرتبی۔ یہ تین نوعتیں ہیں۔ باقی مفہوم تقدم و تاخر ان تینوں کے حق میں جنس۔" (ایضاً ص ۱۱)

"سو جب ذات بابرکات محمدیؐ موصوف بالذات بالنبوۃ ہوئی۔ انبیاء باقی موصوف بالعرض تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ آپ والد معنوی ہیں اور انبیاء باقی آپ کے حق میں بمنزلہ اولاد معنوی۔"

(ایضاً ص ۱۳)

"اطلاق خاتم اس بات کو مقتضی ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلۂ نبوت آپ پر ختم ہوتا ہے۔ جیسے انبیاء گذشتہ کا وصف نبوت میں حسب تقدیر مسطور اس لفظ سے آپ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے اور آپ کا اس وصف میں کسی کی طرف محتاج نہ ہونا۔" (ایضاً ص ۱۷)

الغرض ختم نبوت ذاتی و مرتبی سے حضرت نانوتویؒ کی مراد یہ ہے کہ نبوت و رسالت کے جملہ کمالات و مراتب حضورؐ کی ذات پر ختم ہیں۔

ختمِ نبوت زمانی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نزدیک حضورؐ کی نبوت آخری نبوت ہے اور جہاں آپ کی خاتمیت، خاتمیتِ مرتبی و مکانی ہے وہیں زمانی بھی ہے حضرت نے اپنی متعدد تحریرات میں اس عقیدہ کا برملا اظہار فرمایا ہے چند عبارتیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) "سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے۔ ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے اور تصریحات نبوی مثل انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لانبی بعدی اوکما قال جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا۔ گو الفاظ مذکور بسند تواتر منقول نہ ہوں سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا تواتر تعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ باوجودیکہ الفاظ حدیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں جیسا اس کا منکر کافر ہے ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہے۔"

(تحذیر الناس ص ۱۲، ۱۳)

اس عبارت میں خاتمیت زمانی کو متعدد طریقوں سے ثابت فرمایا ہے۔

اوّل ، خاتمیت زمانی نص خاتم النبیین سے بدلالت مطابقی ثابت ہے۔ اس طرح کہ خاتم کو زمانی اور ذاتی سے مطلق ماننا چاہیئے۔

دوئم ، بطور عموم مجاز لفظ خاتم کی دلالت دونوں قسم کی خاتمیت پر مطابقی ہے۔

سوئم ، دونوں میں سے ایک پر مطابقی ہے اور دوسرے پر التزامی۔

چہارم ، خاتمیت زمانی حضورؐ کی احادیث متواتر معنوی سے ثابت ہے۔

پنجم ، خاتمیت زمانی پر اُمت کا اجماع ہے۔

ششم ، خاتمیت زمانی کا منکر کافر ہے۔

(۲) "اس صورت میں .... خاتمیت بھی بوجہ احسن ثابت ہوتی ہے اور خاتمیت زمانی بھی ہاتھ سے نہیں جاتی۔"

(تحذیر الناس ص ۱۳)

یعنی حضرت نانوتویؒ نے ببانگ دہل یہ فرما دیا ہے کہ وہ ختم نبوت کے اس عقیدہ کے حامل ہیں کہ جس میں خاتمیت زمانی کا عقیدہ ہاتھ سے نہ جائے۔

(۳) "اطلاق خاتم النبیین اس بات کو مقتضی ہے کہ اس لفظ میں کچھ تاویل نہ کیجئے، اور علی العموم تمام انبیاء کا خاتم کہیئے۔"

(تحذیر الناس ص۱۸)

اس عبارت میں واضح طور پر فرمادیا کہ خاتم النبیین کا لفظ مطلق ہے۔ اس لئے ہر لحاظ سے حضورؐ خاتم النبیین ہیں، خاتمیت زمانی کے لحاظ سے بھی اور خاتمیت مرتبی کے لحاظ سے بھی۔

(۴) "باقی رہا یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا۔ اس لئے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے۔ جو کل جھوٹے دعوے کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے۔ البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے۔"

(تحذیر الناس ص۵)

اس عبارت میں حضرت نانوتویؒ یہ اقرار فرمارہے ہیں کہ یہ دین آخری دین ہے اور اب نبوت کا جو بھی دعویٰ کرے گا جھوٹا ہے اور گمراہ کنندہ ہے اور حضورؐ کے بعد ادعائے نبوت کا سد باب ضروری ہے اور آیۃ خاتم النبیین کا کوئی ایسا مفہوم لینا چاہیئے جس سے ایسے جھوٹوں کا سد باب بھی ہو جائے اور حضورؐ کی خاتمیت ذاتی بھی ثابت ہو جائے۔

(۵) "بلکہ بنائے خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخر زمانی اور سد باب مذکور خود بخود لازم آجاتا ہے اور افضلیت نبوی دوبالا ہو جاتی ہے۔"

(تحذیر الناس ص۵)

اس عبارت میں حضرت نانوتویؒ ختم نبوت کے ایسے مفہوم کے قائل ہیں جس میں حضورؐ کو سب سے آخری نبی بھی مانا جائے اور حضورؐ کے بعد دعوائے نبوت کا سد باب بھی ہو جائے اور حضورؐ کی افضلیت بھی ثابت ہو جائے۔ یعنی ختم نبوت مجموعہ ہے خاتمیت زمانی اور خاتمیت ذاتی کا۔ ان دونوں کا بیک وقت ماننا ضروری ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی صحیح نہیں۔

(۶) "بالجملہ رسول اللہؐ وصف نبوت میں موصوف بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور انبیاء موصوف بالعرض۔ اس صورت میں اگر رسول اللہؐ کو اول یا اوسط میں رکھتے تو انبیائے متاخرین کا دین اگر مخالف دین محمدی ہوتا تو اعلیٰ کا ادنیٰ سے منسوخ ہونا لازم آتا...... اور انبیاء متاخرین کا دین اگر مخالف نہ ہوتا تو یہ بات ضرور ہے کہ انبیاء متاخرین پر وحی آتی اور اضافہ علوم کیا جاتا ورنہ نبوت کے پھر کیا معنی۔ سو اس صورت میں اگر وہی علوم محمدی ہوتے تو بعد وعدہ محکم انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کے جو بہ نسبت اس کتاب کے جس کو قرآن کہیئے اور بشہادت آیۃ ونزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شیئ جامع العلوم ہے کیا ضرورت تھی۔ اور علوم انبیاء متاخرین علوم محمدی کے علاوہ ہوتے تو اس کتاب کا تبیانا لکل شیئ ہونا غلط ثابت ہو جاتا۔"

(تحذیر الناس ص۱۰، ۱۱)

اس عبارت میں حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ حضورؐ سب سے افضل ہیں اس لئے آپ کا زمانہ بھی سب سے آخر ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ اگر آپ اول میں یا وسط میں ہوں تو آپ کے بعد جو نبوت آئے گی وہ آپ کی نبوت کو یا منسوخ کرے گی یا بحال رکھے گی۔ پہلی صورت میں اعلیٰ نبوت کا ادنیٰ نبوت سے منسوخ ہونا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے دوسری صورت میں بعد میں آنے والی نبوتیں بیکار ثابت ہوتی ہیں۔ اس لئے حضورؐ کی نبوت یقیناً آخری نبوت بھی ہے اور سب سے افضل نبوت بھی۔

(۷) "ختم نبوت بمعنی معروض کو تاخر زمانی لازم ہے۔"

(تحذیر الناس ص۱۱)

یعنی ختم نبوت ذاتی تسلیم کرنے سے ختم نبوت زمانی کو بھی لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

(۸) "اگر بطور اطلاق عموم مجاز اس خاتمیت کو زمانی اور مرتبی سے عام لے لیجے تو پھر دونوں طرح کا ختم مراد ہوگا۔ پر ایک مراد ہو تو شایان شان محمدی خاتمیت مرتبی ہے نہ زمانی۔"

(تحذیر الناس ص۱۱)

یعنی ختم نبوت کے دو مفہوم ہیں۔ خاتمیت زمانی اور خاتمیت مرتبی۔ اگر حضورؐ کی ختم نبوت سے مراد ان دونوں میں سے کوئی ایک ہوتی تو حضورؐ کے لئے شایان شان خاتمیت مرتبی تھی۔ لیکن حضرت نانوتویؒ کے نزدیک خاتمیت کا اطلاق بطور عموم مجاز خاتمیت زمانی و خاتمیت مرتبی دونوں کو شامل ہے۔

(۹) "تقدم و تاخر یا زمانی ہوگا، یا مکانی یا مرتبی۔ یہ تین نوعیں ہیں۔ باقی مفہوم تقدم و تاخر ان تینوں کے حق میں جنس...... ..... اس صورت میں ہر نوع میں مفہوم خاتمیت جدا طرح ظہور کرے گا۔"

(تحذیر الناس ص۱۱، ۱۲)

گویا خاتمیت ایک جنس ہے جس کی تین نوعیں ہیں، خاتمیت زمانی، خاتمیت مکانی اور خاتمیت مرتبی۔ اور ان تینوں کا بیک وقت اقرار کرنا ہوگا۔

(۱۰) "جیسے آیتہ انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان۔ میں مفہوم رجس جنس عام ہے کہ اس کے لئے خمر جدی نوع ہے اور میسر وغیرہ جدی۔ وہاں رجس نے اور طرح ظہور کیا۔ یہاں اور طرح ... ... یہاں تینوں نوعوں کا موصوف بہ تقدم و تاخر ہونا ایسا ہی ہر ہے .. .. سو اگر یہاں خاتم مثل رجس عام رکھا جائے تو بدرجہ اولی قابل قبول ہے۔ اس میں خاتمیت زمانی اور مرتبی کو تو ضرورت فعلین مبدا بالتقدم نہیں۔ ہاں مکانی میں ہے کہ بقیاس تاخر مرتبی یہاں بھی نیچے سے شروع سمجھا جائے گا اور زمین علینا اختتام ہوگا۔"

(تحذیر الناس ص ۱۲)

گویا خاتمیت سے مراد خاتمیت زمانی خاتمیت مرتبی اور خاتمیت مکانی تینوں ہیں۔

(۱۱) "در صورتیکہ زمانہ کو حرکت کہا جاوے تو اس کے لئے کوئی مقصود بھی ہوگا جس کے آنے پر حرکت منتہی ہو جائے۔ سو حرکت سلسلۂ نبوت کے لئے نقطہ ذات محمدیؐ منتہی ہے۔"

(تحذیر الناس ص ۲۵)

اس لئے آپ سب سے آخری نبی ہیں۔ یعنی نبی آخر الزمان ہیں۔

(۱۲) "رہا یہ شبہ کہ زمانہ تو بعد ختم نبوت بھی باقی ہے۔ اگر حقیقت زمانہ حرکت مذکورہ ہے تو لازم آتا ہے کہ مقصود تک ابھی نہیں پہنچے .. ... دفع خلجان کے لئے یہ عرض ہے کہ ہر حادث زمانی کے لئے ایک عمر ہے ..... کیونکہ زمانہ ایک حرکت ہے ...... مسافات متعددہ ہیں اور حرکات متعددہ منجملہ حرکات سلسلہ نبوت بھی تھی۔ سو بوجہ حصول مقصودِ اعظم ذات محمدیؐ وہ حرکت مبدل بسکون ہوئی۔ البتہ اور حرکتیں ابھی باقی ہیں اور زمانہ آخر میں آپ کی ظہور کی ایک یہ بھی وجہ ہے۔"

(تحذیر الناس ص ۲۵، ۲۶)

حاصل عبارت یہ ہے کہ سلسلۂ نبوت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اختتام پذیر ہو چکا ہے اور آپ خاتم النبیین ہیں۔ اس معنی میں کہ آپ سب انبیاء کے افضل بھی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی بھی پیدا نہ ہوگا۔

نیز حضرت نانوتویؒ کی دیگر تصانیف سے بھی چند عبارتیں پیش خدمت ہیں۔

(۱۳) "خاتمیت زمانی اپنا دین و ایمان ہے۔ ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں۔"

(مناظرہ عجیبہ ص ۳۹)

(۱۴) "حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلم ہے۔"

(مناظرہ عجیبہ ص ۳)

(۱۵) "ہاں یہ مسلم ہے کہ خاتمیت زمانی اجماعی عقیدہ ہے۔"

(مناظرہ عجیبہ ص ۶۹)

(۱۶) "حاصل مطلب یہ ہے کہ خاتمیت زمانی سے مجھ کو انکار نہیں بلکہ یوں کہیے کہ منکروں کے لئے گنجائش انکار نہ چھوڑی۔ افضلیت کا اقرار ہے بلکہ اقرار کرنے والوں کے پاؤں جما دیئے اور نبیوں کی نبوت پر ایمان ہے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کو نہیں سمجھتا۔"

(مناظرہ عجیبہ ص ۵۰)

(۱۷) "اپنا دین و ایمان ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں۔ جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں۔"

(مناظرہ عجیبہ ص ۱۰۳)

(۱۸) "خاتمیت زمانی کی میں نے تو توجیہہ اور تائید کی ہے، تغلیط نہیں کی۔"

(مناظرہ عجیبہ ص ۲۷)

(۱۹) "وہ تقریر لکھی جس سے خاتمیت زمانی اور خاتمیت مکانی اور خاتمیت مرتبی تینوں بدلالت مطابقی ثابت ہو جائیں اور اسی تقریر کو اپنا مختار قرار دیا۔"

(مناظرہ عجیبہ ص ۵۰)

(۲۰) "اوروں نے فقط خاتمیت زمانی اگر بیان کی تھی تو میں نے اس کی علت یعنی خاتمیت مرتبی کو ذکر کر دی اور شروع تحذیر ہی میں اقتضاءً خاتمیت مرتبی کا بہ نسبت خاتمیت زمانی ذکر کر دیا۔ یہ تو اس صورت میں کہ خاتم سے خاتم المراتب ہی مراد لیجئے اور خاتم کو مطلق رکھیے تو پھر خاتمیت مرتبی اور خاتمیت زمانی اور خاتمیت مکانی تینوں اس سے اسی طرح ثابت ہو جائیں گی جس طرح آیت انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان سے نجاست معنوی اور نجاست ظاہری دونوں ثابت ہوتی ہیں اور اس ایک مفہوم کا افراد مختلفہ پر محمول ہونا ظاہر ہوتا ہے۔"

(مناظرہ عجیبہ ص ۳۷)

(۲۱) "آپ ہی فرمائیں تاخر زمانی اور

خاتمیت عصر نبوت کو میں نے کب باطل کیا؟ کہاں باطل کیا۔ میں نے تو خاتم کے وہی معنیٰ رکھے ہیں جو اہلِ لغت سے منقول ہیں۔"

(مناظرہ عجیبہ ص ۲۷)

(۲۲) "جیسے آفتاب پر سلسلہ فیض نور ختم ہوتا ہے۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ فیض ختم ہوتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے کافی تھا کہ خاتم بمعنی آخر و متاخر ہے۔"

(مکتوبات حضرت مولانا محمد قاسم ص ۹۵)

(۲۳) "اوّل تقریر تحذیر پر تو خاتمیت زمانی مدلول التزامی خاتم النبیین ہوگا، اور دوسری تقریر پر مدلول مطابقی۔ ہاں خاتمیت زمانی مع شئے زائد ثابت ہوگی۔"

(مکتوبات ص ۶۹)

(۲۴) "آپ کا دین سب دینوں میں آخر ہے چونکہ دین حکم نامہ خداوندی کا نام ہے۔ تو جس کا دین آخر ہوگا وہی شخص سردار ہوگا۔ کیونکہ اس کا دین آخر ہوتا ہے۔"

(قبلہ نما ص ۱۱)

(۲۵) "جب حضرت خاتم النبیین خاتم مراتب علیہ اور خاتم مراتب نبوت حکومت ہوئے تو ان کی تعلیم کے بعد کوئی معلم تعلیم آسمانی لے کر آئے اور نہ ان کے بعد کوئی حاکم خدا کی طرف سے حکم نامہ لائے۔"

(آریہ سماج کو جواب ترکی بہ ترکی ص ۵۱)

(۲۶) "اور انبیاء کی نبوت تو آپ کی نبوت کا پر تو ہے۔ پھر آپ کی نبوت پر قصہ ختم ہو جاتا ہے اور اس بات کو آپ کے دین کا ناسخ لادیان اور آخر الادیان ہونا اسی طرح لازم ہے جیسے آفتاب کے نور کا اور انوار کو محو کر دینا یا کھیتی میں بال کا سب سے پیچھے ظاہر ہونا۔"

(تصفیۃ العقائد ص ۲۹)

(۲۷) "خاتم مراتب نبوت کے اوپر کوئی اور عہدہ یا مرتبہ ہوتا ہی نہیں جو ہوتا ہے اس کے ماتحت ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کے احکام اوروں کے احکام کے ناسخ ہوں گے اور اس لئے یہ ضرور ہے کہ وہ خاتم زمانی بھی ہو کیونکہ اوپر کے حاکم تک نوبت سب حکام ماتحت کے بعد آتی ہے۔"

(مباحثہ شاہجہاں پور ص ۲۴)

(۲۸) "ایسے ہی اگر کوئی شخص اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اوروں کی اتباع کرے تو بے شک اس کا یہ اصرار اور یہ انکار از قسم بغاوتِ خداوندی ہوگا۔ جس کا حاصل کفر و الحاد ہے۔"

(مباحثہ شاہجہاں پور ص ۹۷)

(۲۹) "حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام مراتب کمال اسی طرح ختم ہو گئے ہیں جیسے بادشاہ پر مراتب حکومت ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جیسے بادشاہ کو خاتم الحکام کہہ سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الکاملین اور خاتم النبیین کہہ سکتے ہیں۔ . . . . اس لئے آپ کے دین کے ظہور کے بعد سب اہلِ کتاب کو بھی ان کا اتباع ضروری ہوگا۔"

(حجۃ الاسلام ص ۵۵)

خلاصۂ کلام

حضرت نانوتویؒ کی مذکورہ بالا تمام تحریرات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:۔

(۱) خاتمیت ایک جنس ہے جس کے تین نوع ہیں۔ خاتمیت زمانی، خاتمیت مرتبی، خاتمیت مکانی۔

(۲) خاتمیت زمانی سے مراد یہ ہے کہ حضورؐ سب سے آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔

(۳) خاتمیت ذاتی و مرتبی کے مطلب یہ ہیں کہ جملہ کمالات و فضائل حضورؐ پر ختم ہیں۔ اس لئے آپ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ آپ نبی الانبیاء ہیں اور تمام انبیاء کے حق میں والد معنوی ہیں۔

(۴) خاتمیت مکانی سے مقصد یہ ہے کہ اگر سات زمینیں موجود ہوں اور ہر زمین میں سلسلہ نبوت کا ایک خاتم ہو، تو حضورؐ سب سے اوپر والی زمین پر ہیں اور ان سب خاتموں کے خاتم ہیں۔

(۵) خاتمیت زمانی آیۃ خاتم النبیین سے بدلالت مطابقی بھی ثابت ہے۔ اور بدلالت التزامی بھی۔

(۶) خاتمیت زمانی حضورؐ کی احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ اگرچہ یہ تواتر معنوی ہے۔

(۷) ختم نبوت زمانی پر امت کا اجماع ہے۔

(۸) ختم نبوت زمانی کا منکر کافر ہے

(۹) خاتمیت زمانی اور خاتمیت مرتبی لازم و ملزوم ہیں جو سب سے افضل نبی ہے۔ اسے سب سے آخر میں آنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ اوّل یا وسط میں ہو تو اس سے اعلیٰ دین کا ادنیٰ دین سے منسوخ ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ محال ہے۔

(۱۰) زمانہ حرکت کا نام ہے اور حرکت

بقیہ ۱۹ پر

تاریخ کا ایک باب

جب قادسیہ فتح ہوا ٭

ماسٹر محمد عمر خان گڑھ

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ایران پر حملہ ہوا تو حضرت سعدؓ بن وقاص کی سرکردگی میں لشکرِ اسلام جب ایرانی شہنشاہ کے مدِمقابل ہوا۔ اسلامی وفد یزدجرد کے پاس آیا۔ شہنشاہِ ایران نے اسلامی سفارت کی آمد کی خبر سن کر اپنا دربار بڑی شان و شوکت سے سجایا۔ یہ سفیر یمنی چادریں کاندھوں پر ڈالے، چمڑے کے موزے پاؤں میں پہنے، کوڑے ہاتھ میں لئے اس بیباکانہ انداز سے دربار میں داخل ہوئے کہ درباری سہم گئے اور شہنشاہ ان کی جُرأت پر حیران ہو گیا۔ یزدجرد نے پوچھا، یہ بتاؤ تم ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟

حضرت نعمان بن مقرنؓ جو رئیسِ وفد تھے آگے بڑھے اور حسبِ ذیل تقریر کی۔

"اے بادشاہ! کچھ عرصہ پہلے ہم وحشی تھے، جاہل تھے لیکن خدا نے ہم پر بڑا فضل فرمایا کہ ہماری ہدایت کے لئے ایک برگزیدہ پیغمبر بھیجا۔ خدا کے اس مقدس رسولؐ نے ہم کو راہِ حق دکھانے کے لئے اپنی نیک سیرت پیش کی۔ اس نے ہمیں نیکی کی طرف بُلایا اور بدی سے بچایا اور وعدہ کیا کہ اگر ہم اس کی دعوت کو قبول کر لیں تو دنیا و آخرت کی کامیابی ہمارے قدم چوم لے گی ہم نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اس دعوت کو ان قوموں تک پہنچائیں جو ہمارے پڑوس میں آباد ہیں۔ اور انہیں بتائیں کہ یہی دعوت جسے اسلام کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، تمام خوبیوں کی بنیاد ہے یہ حق و باطل کو علیحدہ کرتا ہے۔ لہٰذا اے عمائدینِ ایران! ہم تمہیں اسی مقدس دین کی طرف بلاتے ہیں۔ اگر تم یہ بلاوا قبول کرتے ہو تو کیا کہنے، ہمیں تم سے تعرض کرنے کی ضرورت نہیں، ہم کتاب اللہ تمہارے حوالے کر دیتے ہیں تم اس کے موافق اپنے فیصلے کرو اور اس کے احکام کی پیروی تمہارا فرض ہو گا۔ اگر تم اس دعوت کے قبول کرنے سے انکاری ہو تو پھر جزیہ ادا کرنا ہو گا اور تم نے ہمارے اقتدار کو قبول کرنا ہو گا اور یہ وعدہ کرنا ہو گا کہ تمہاری سلطنت میں کسی قسم کا کوئی ظلم اور بدکاری سر نہ اٹھائے گی۔ اگر یہ منظور ہے تو خیر ورنہ پھر تلوار تمہارے ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی۔"

یزدگرد تعجب کے ساتھ یہ تقریر سنتا رہا جب تقریر ختم ہوئی تو ارکانِ وفد کو مخاطب ہوا۔

"اے قومِ عرب ساری دنیا میں تم سے زیادہ بدبخت اور بدحال کوئی دوسری قوم نہ تھی۔ جب ہم ایک اونٹ ذبح کر کے تم فاقہ مستوں کی مہمانی کر دیا کرتے تھے تو تم خوش ہو جاتے تھے اور تمہارا سارا شور و شر ٹھنڈا پڑ جاتا تھا۔ جب تم کچھ ہاتھ پاؤں نکالتے تھے تو ہم سرحد کے سرداروں کو لکھ بھیجتے تھے وہ تمہیں ٹھیک کر دیتے تھے۔

دیکھو! میں تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ ملک گیری کے اس خبط کو اپنے دماغ سے نکال دو ہاں اگر ضروریاتِ زندگی نے تمہیں اس اقدام پر مجبور کر دیا ہے تو ہمیں بتاؤ ہم تمہارے کھانے پینے کا بندوبست کر دیتے ہیں تمہارے لئے لباس کا بھی انتظام کر دیں گے اور کوئی ایسا حاکم تمہارے اوپر مقرر کر دیں گے جو تم سے محبت اور نرمی سے برتاؤ کرے گا۔"

یزدگرد کی تقریر کا جواب دینے کے لئے حضرت مغیرہ بن زرارہؓ آگے بڑھے اور فرمایا،

"اے بادشاہ! ہم بے شک ایسے ہی بدبخت، بدحال تھے جیسا کہ تو نے بیان کیا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ مُردار جانور کھاتے تھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب ہم میں خدا کا برگزیدہ نبی مبعوث ہوا جو حسب نسب میں سب سے افضل تھا، شان و شوکت اور اخلاقِ حسنہ میں سب سے بلند تھا اس نے ہماری کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اس کی معجزانہ تعلیم سے ہم ساری

دنیا کے رہنما بن گئے اور آج یہ حالت ہے کہ تم جیسے مغرور بادشاہ بھی ہماری عظمت و شوکت سے کانپنے لگے۔

اے بادشاہ! اب زیادہ حیل و حجت فضول ہے یا تو ہمارے برگزیدہ پیغمبر کی دعوت قبول کر یا جزیہ دے یا پھر تلوار سے تیرا فیصلہ کرتے ہیں اسی کا تو انتظار کر۔"

بادشاہ اس تقریر سے سخت برہم ہوا اور جوش میں آکر کہا،

"اگر سفراء کو قتل کرنا بین الاقوامی آداب کے خلاف نہ ہوتا تو میں تمہیں قتل کرا دیتا خیر جاؤ میں تمہارے مقابلے کے لئے رستم کو بھیجتا ہوں وہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔"

پھر اس نے مٹی کا ٹوکرا منگوایا اور سفراء سے پوچھا تم میں سے سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ حضرت عاصم بن عمرؓ نے کہا، میں ہوں۔

یزدگرد نے حکم دیا یہ ٹوکرا اس شخص کے سر پر رکھ دیا جائے۔ عاصمؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑا دوڑاتے ہوئے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہا فتح مبارک ہو دشمن نے خود اپنی زمین ہمارے حوالے کر دی ہے۔

رستم ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ آگے بڑھا۔ وہ اس قدر مرعوب ہو چکا تھا کہ لڑنا نہیں چاہتا تھا مگر دربارِ ایران سے برابر حکم آ رہے تھے۔ چنانچہ جنگ ہوئی رستم مارا گیا قادسیہ فتح ہوا۔ قادسیہ کا معرکہ ایرانی معرکوں میں اہم ترین معرکہ سمجھا جاتا تھا۔ اس لڑائی میں ایرانی تیس ہزار قتل ہوئے مسلمان آٹھ ہزار شہید ہوئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قادسیہ کی لڑائی کا اتنا فکر تھا کہ آپ ہر روز علی الصبح مدینہ منورہ کے باہر نکل کر آ بیٹھتے اور قادسیہ کی راہ دیکھتے رہتے۔ ایک اونٹ نمودار ہوا۔ وہ قریب آیا تو آپ نے سوار سے پوچھا، کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا قادسیہ سے۔ حضرت عمرؓ نے کہا، "اے بندہ خدا! کچھ تو مجھے بتاؤ وہاں کیا ہوا؟" قاصد نے کہا، اللہ نے دشمنِ خدا کو شکست دی۔ قاصد اونٹ دوڑاتا چلا جا رہا تھا آپ اس کے پیچھے پیچھے دوڑتے آ رہے تھے اور فتح کے حالات پوچھتے رہے۔ جب لوگوں نے شہر کے قریب امیر المومنین کے لقب سے پکارنا شروع کیا تب قاصد کو معلوم ہوا رکاب کے ساتھ دوڑنے والے خود خلیفۃ المسلمین ہیں۔ خوف کے مارے کانپنے لگا اور نیچے اترنے لگا۔ آپ نے بے پرواہی کے ساتھ جواب دیا کچھ حرج نہیں تم حالات سناتے رہو۔ اسی حال میں مسجد نبوی تشریف لے آئے۔ عام منادی کرا کے حضرت سعد بن وقاصؓ کی فتح کا بشارت نامہ سنایا اور سب نے فرط مسرت میں سجدہ شکر ادا کیا۔

بقیہ: خطبہ جمعہ

ہے کیونکہ وہ خالق کائنات کی تجویز کردہ ہیں اور "تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں" کے مصداق حق تعالیٰ سبحانہ سے بہتر اپنے بندوں کے احوال و اعمال اور اصلاح کے طریق سے کون پوری طرح باخبر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ بطور نمونہ آج کے خطبہ میں چند جرائم اور ان کی اسلامی سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے اور دلائل و براہین اور مشاہدے سے ثابت ہے کہ اسلامی سزائیں ہی عدل و انصاف اور مساوات کی حامل ہیں اور صرف اور یہی اصلاح احوال کی ضامن ہو سکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھ نصیب فرمائے۔ آمین!

مجلسِ ذکر

مولانا صوفی محمد یونس صاحب

حسب ذیل مقامات پر بعد نماز مغرب مجلس ذکر کرائیں گے:۔

۲۲ جون بروز جمعہ فیصل مسجد فیصل کالونی، راولپنڈی

۲۳ جون بروز ہفتہ 19E/بی1 واہ کینٹ حاجی عثمان غنی صاحب

۲۴ جون بروز اتوار۔ کوارٹر V/۸۶ مارگلہ کالونی ٹیکسلا۔

۲۵ جون بروز پیر بر مکان فضل الٰہی صاحب ۲۶۴/۷ چکلالہ گاؤں۔

۲۶ جون بروز منگل سرائے عالمگیر شاہی محلہ بر مکان ماسٹر لطیف احمد صاحب

۲۷ جون بروز بدھ۔ مسجد آبادی حاکم رائے بعد نماز عشاء بر مکان ڈاکٹر محمد عظیم صاحب گوجرانوالہ (حاجی بشیر احمد)

توبہ اور معاشرے کے امن و امان میں اس کا اثر

حبیب الرحمٰن تونسوی فاضل مدینہ یونیورسٹی

توبہ کو معاشرے کے امن و امان میں خاص دخل ہے۔ اس سے ایسے ایسے جرائم و مآثم کا انسداد ہوتا ہے جو معاشرے کے امن و امان کو تہہ و بالا کرکے رکھ دیتے ہیں اس سے بیشتر کہ توبہ کے معاشرے کے حفظ و امان میں بیش قیمت اثرات پر گفتگو کی جائے۔ ضروری ہے کہ لفظ توبہ پر تحقیقی نظر ڈال لی جائے۔

توبہ

توبہ کے معنی بندے کا اپنے رب سے استغفار کرنا، اس کی اطاعت میں لوٹنا اور گناہ مرتکبہ کی معافی طلب کرنے کے ہیں۔ بندہ توبہ اس لئے کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے داغ مٹا دے اور پھر سے اسے اپنی فرمانبرداری میں لے لے۔

بندہ توبہ کس لئے کرتا ہے

جب انسان کے ذہن میں اس ذات کی عظمت بیٹھتی ہے جس کی اس نے نافرمانی کی ہے اور اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا ملکہ ہر حالت میں قائم و دائم ہے اسے ہر حالت میں اسی کی طرف لوٹنا ہے تو گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد مومن کے دل میں اس مالک کائنات کی ہیبت و خشیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کی روح میں ایک ہلچل سی مچ جاتی ہے۔ اپنے کئے پر ندامت محسوس کرتا ہے۔ اس مرتکبہ گناہ پر خدا کی وعید اس کے تصور میں گھومنے لگتی ہے اور وہ اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔

معصیت اور تقویٰ

زندگی میں انسانی سعادت صرف اس بات پر موقوف نہیں کہ وہ مآثم سے مطلق طور پر سلامت رہے یہاں تک کہ برائی کا شائبہ تک بھی اس کے پاس نہ پھٹکے کیونکہ اخطاء اور غلطیوں سے پاک ہونا اور خالص خیر و اطاعت کے لئے مجرد ہونا شانِ ملائکۂ مقربین ہے۔ اور یہ خلقتِ ملائکہ ہے کہ وہ خدا کے فرمان کی حکم عدولی نہیں کرتے بلکہ (ویفعلون ما یومرون) وہ تو وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

مگر اس کے برعکس انسان میں دو ایسی قوتیں ہیں جو اسے ذہن میں گناہ کا خیال لانے اور اس کی طرف مائل ہونے کی ترغیب دیتی ہیں اور وہ دو قوتیں انسانی شہوت اور غضب ہیں۔ اکثر و بیشتر انسانی ارادہ غضب اور شہوت کے عوامل کا مقابلہ کرنے سے عاجز و قاصر رہتا ہے۔ ان عوامل سے عاجز رہنے سے ارادہ بھی اسی رنگ میں رنگا جاتا ہے اور انسان کو خدا کی مقرر کردہ حدود سے خارج کر دیتا ہے۔ اسی خروج سے انسان معصیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ مگر گناہ کا ارتکاب بندے اور اس کے رب کے مابین زیادہ دیر تک حائل نہیں رہتا۔ جونہی بندہ معافی کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے خداوند قدوس فوراً اپنی رحمت کا کنکشن بندے سے پھر جوڑ دیتے ہیں کیونکہ خدا کی یاد اور گناہ کے بوجھ کا احساس یہ دو ایسی چیزیں ہیں جو مومن کو مغفرت و رحمت کی طلب پر مجبور کر دیتی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ

(الاعراف ۲۰۱)

ترجمہ:۔ یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں۔ جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں پس یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

آدم اور معصیت

حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو باری تعالیٰ نے شجر ممنوعہ سے کچھ کھانے

کو منع فرمایا مگر انہیں ان کی دو فطرتی عادتوں (امید اور شہوت) نے فرمانِ الٰہی کے معاملہ میں ڈگمگا دیا اور وہ شجرِ ممنوعہ سے پھل کھا کر لغزش کا شکار ہو گئے۔ مگر جونہی اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اپنی خطاء پر آگاہی حاصل ہوئی فوراً توبہ کے لئے ربِ رحیم کی طرف دوڑ پڑے اور گڑگڑا کر کہنے لگے۔

ربّنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین

(اعراف)

ترجمہ:۔ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔

یہاں ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا حضرت آدم علیہ السلام کی معصیت سے خدا کے ہاں ان کی قدر و منزلت میں کوئی فرق آیا؟ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوا بلکہ ارحم الرٰحمین نے حضرت آدم کی توبہ کو سُنا اور اسے قبول فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے مرتبہ میں بھی کسی قسم کی کمی نہ فرمائی۔ اسی لئے فرمایا کہ:

ثم اجتبٰہ ربہ فتاب علیہ و ھدٰی

ترجمہ:۔ پھر (جب انہوں نے معذرت کی تو) ان کو ان کے رب نے (زیادہ) مقبول بنا لیا، پس ان پر توجہ فرمائی اور راہ (راست) پر (ہمیشہ) قائم رکھا۔

قرآن میں توبہ کا مفہوم

قرآن پاک میں لفظ توبہ تین معنوں میں آیا ہے۔ (۱) لفظ توبہ عفو و درگزر کے معنوں میں آتا ہے اور اس کے ساتھ حرفِ جار علیٰ مقید ہوتا ہے جیسے ویتوب اللّٰہ علی من یشاء اور اللہ تعالیٰ جسے چاہیں معاف فرما دیتے ہیں۔

(۲) لفظ توبہ کے دوسرے معنی خدا تعالیٰ کی طرف لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں، جیسے توبوا الی اللّٰہ اللہ کی طرف لوٹ آؤ۔ اور یہ حرف الی کے ساتھ آتا ہے۔

(۳) تیسرے معنی غلطی پر ندامت ہونے کے ہیں۔ اور اس کے ساتھ کوئی حرفِ جار نہیں ہوتا جیسے فرمانِ الٰہی ہے،

الّا الذین تابوا و اصلحوا

مگر وہ لوگ جو اپنے کئے پر نادم ہوئے اور نیک کام کئے۔ اسی طرح لفظ (تاب) اور اس کے مشتقات کا ذکر قرآن پاک میں ستاسی بار آیا ہے۔ بطور مثال چند ایک کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔ چور کی سزا مقرر کرنے کے بعد فرمایا کہ

فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح فان اللّٰہ یتوب علیہ۔

ترجمہ:۔ پس جب اپنے کئے ہوئے ظلم کے بعد ندامت ہوئی اور صالح بن گیا بے شک اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا۔ اسی طرح ڈاکوں اور رہزنوں کی حدّ مقرر کرنے کے بعد فرمایا،

الّا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللّٰہ غفور رحیم

(مائدہ ۲۴)

ترجمہ:۔ ہاں مگر وہ لوگ قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرو توبہ کرلیں تو جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخش دیں گے مہربانی فرما دیں گے۔

سنت نبویہ میں توبہ کی حیثیت

افضل البشر خاتم الرسل سید الانبیاء سے جو احادیث کا انمول خزانہ ہمیں ورثے میں ملا ہے۔ اس میں فضائل توبہ سے متعلق احادیث کا بھی کافی حصہ ہے علی سبیل المثال چند ایک درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت اغر بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (لوگوں اللہ تعالیٰ سے توبہ/رجوع کرو اور اسی سے مغفرت طلب کرو۔ میں دن میں سو بار توبہ کرتا ہوں)

(۲) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص نے ننانوے قتل کئے۔ پھر زمین پر سب سے زیادہ علم رکھنے والے کے متعلق پوچھا، کسی نے اسے ایک راہب کا پتہ دیا۔ اس کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ننانوے قتل کئے ہیں۔ کیا میرے لئے توبہ ہے؟ اسی (راہب) نے کہا کہ نہیں۔ اس (قاتل) نے اسے بھی قتل کر دیا، اور سو پورے کر دیئے۔ پھر اس نے سب سے زیادہ علم رکھنے والے کے متعلق پوچھا اسے ایک عالم کا پتہ دیا گیا۔ اس (قاتل) نے کہا کہ اس نے سو قتل کئے ہیں، کیا اس کے لئے توبہ ہے۔ اس (عالم) نے کہا کہ ہاں۔ تو فلاں ارض پر فلاں جگہ پہ چلا جا۔ وہاں تیری توبہ قبول ہو سکتی ہے اس جگہ لوگ خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ تو بھی ان کے ساتھ خدا کی عبادت کر اور

اپنی جگہ کی طرف مت لوٹنا کیونکہ یہ برائی والی جگہ ہے۔ بس وہ چل پڑا۔ ابھی آدھے راستے میں تھا کہ مر گیا۔ رحمت و عذاب کے فرشتے آپس میں جھگڑنے لگے۔ ملائکہ رحمت کا کہنا تھا کہ یہ دل سے توبہ کر کے خدا کی طرف لوٹ رہا ہے اور ملائکہ عذاب کہہ رہے تھے کہ اس نے عمر بھر کوئی نیکی نہیں کمائی (لہٰذا اسے ہم لے جائیں گے)۔

بس ایک فرشتہ آدمی کی صورت میں ان کے پاس آیا اور انہوں نے اسے اپنا حکم ٹھہرا لیا۔ اس (منصف فرشتے) نے کہا کہ دونوں طرف سے زمین کی پیمائش کرو جس طرف (کی پیمائش) کم ہو گی (یہ شخص) اسی کا ہو گا۔ چنانچہ جب پیمائش کی گئی تو وہ زمین کم پائی گئی جس میں ملائکہ رحمت نے اسے قبضے میں لینا تھا۔

معاشرے کے امن و امان میں توبہ کا اثر

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ پر غور کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن و سنت نے اسے کتنا اعلیٰ و ارفع مقام بخشا ہے۔ اسی توبہ سے شیطانی معاشرہ اسلامی معاشرے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی توبہ سے انسان درجات اسفل السافلین میں جانے کے بعد پھر سے مقامات علیین کی طرف لوٹ آتا ہے۔

اس کی قدر و منزلت بس یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ توبہ کو اس سے عظیم شرف حاصل ہے۔ رب ذوالجلال چاہے تو زنا کرنے والے کو بغیر توبہ کے بخشش دے۔ وہ چاہے تو رہزنی و چوری کرنے والے کو معاف فرمادے وہ چاہے تو شراب پینے والے سے عفو و درگزر کرے وہ چاہے تو سود کھانے والے اور یتیموں کا مال لوٹنے والے پر بھی اپنی نظر کرم ڈال دے۔ ان تمام گناہ کبیرہ کو چاہے تو بغیر توبہ کے معاف کر دے، مگر شرک ایک ایسا گناہ کبیرہ ہے، ایک ایسا ظلم عظیم ہے کہ اس مقام پر آ کر رب ذوالجلال کی صفت قہاری و جبروتی صفات رحمانی و رحیمی پر غالب آجاتی ہے اور بغیر توبہ کے چھٹکارا ناممکن و محال ہو جاتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔

غور کا مقام ہے کہ خداوند قدوس نے توبہ کو اسلامی جواہر کے سلسلے میں پرو کر ایک بار پھر یہ باور کرا دیا کہ

میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے چکی ہے۔ لہٰذا یہ مقام بھی صرف توبہ کے حصے میں آیا کہ اگر مشرک بھی سچے دل سے توبہ کر لے تو خدا اسے بھی معاف کر دے گا۔ اسے بھی وہی مقام حاصل ہو گا جو اس سے قبل کے مسلمانوں کو حاصل ہے۔ اسی توبہ نے حضورؐ کی گردن لینے کا ارادہ رکھنے والے عمر بن الخطاب کو فاروق اعظمؓ بنا دیا۔ اسی نے سو لال اونٹوں کی غرض سے ہجرت کے وقت حضورؐ کا پیچھا کرنے والے سراقہؓ کو قیصر و کسریٰ کے کنگن پہنا دیئے۔ یہی توبہ ہی تھی جس نے سید الشہداء امام حمزہؓ کے اعضاء کا مثلہ کرنے والی عم رسولؐ کا کلیجہ چبانے والی ہندہؓ کو صحابیہ بنا دیا۔ اسی نے خالد بن ولید کو جو غزوہ اُحد میں مسلمانوں کی عارضی شکست کا سبب بنے تھے، سیف اللہ کا لقب دے دیا۔

اسی توبہ کی بدولت حضرت حمزہؓ کے قاتل حضرت وحشیؓ نے اپنے مخصوص خنجر سے مسیلمہ کذاب کو جہنم رسید کر کے جنت کا ٹکٹ لیا۔

اسی کے وجود سے حضرت ماعزؓ نے زنا کا مرتکب ہونے کے بعد پاک و طاہر بن کر جنت میں جانے کے لئے اپنے آپ کو سنگساری کے لئے پیش کر دیا۔ اسی توبہ نے فاطمہ بنت قیس کا ہاتھ کٹوا کر اس (فاطمہ) کے جنت میں پہنچنے سے پہلے اس کے ہاتھ کو جنت میں پہنچا دیا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے (چور اگر چوری کرنے کے بعد توبہ کرلے تو اس کا ہاتھ اس سے پہلے جنت میں جائے گا اور اگر توبہ نہ کی تو اس کا ہاتھ اس سے پہلے جہنم میں جائے گا)۔

یہ ہے وہ مقام توبہ اور یہ ہے وہ نظریہ اسلام جو ہمارے معاشرے کی اصلاح اور امن و امان کا صحیح ضامن ہے۔ اگر ہمارے معاشرے کا ہر فرد اسے اپنے اوپر نافذ کرلے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ معاشرہ جس نے شیطانی معاشرے کا روپ دھار لیا ہے، اسلامی معاشرے کی صحیح عکاسی نہ کرنے لگے، اور معاشرے میں امن و امان کو دوام نہ ملے۔

جس طرح خداوند قدوس نے دیگر عبادات کو ہماری روحانی بیماریوں کے پرہیز کی حیثیت دی ہے اسی طرح توبہ کو ہمارا دائمی علاج قرار دیا ہے جو انسان کو ہر قسم کے گناہ اور بیماری کو دور کر کے انسان کو تندرست بنا دیتا ہے۔

پروفیسر محمد اسلم جامعہ پنجاب

ید بیضا



امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کے مرشد خلیفہ غلام محمد دین پوری نور اللہ مرقدہ کا شمار ان اکابر میں ہوتا ہے، جنہوں نے برصغیر پاک و ہند کی سیاسی، فکری، مذہبی، روحانی اور معاشرتی تاریخ میں اپنی سیرت اور کردار کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

حال ہی میں ان کے پوتے جناب خلیل احمد حامی عبیدی نے ــــ ید بیضا ــــ کے عنوان سے اپنے جدِ امجد کے سوانح حیات شائع کیے ہیں جس میں انہوں نے اس دور کی سیاست میں خلیفہ غلام محمد کے کردار کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں دیوبند کے بعد بھرچونڈی شریف، امروٹ شریف، دین پور شریف تحریک آزادی کے تین اہم مرکز تھے، جہاں بقول مولانا عبید اللہ سندھیؒ "جنید وقت" حافظ محمد صدیقؒ، مولانا تاج محمود امروٹیؒ اور خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ اپنے اپنے حلقوں میں تحریکِ آزادی کے کارکنوں کی رہنمائی فرما رہے تھے۔ ان تینوں بزرگوں کے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ساتھ بڑے گہرے روابط تھے اور ریشمی رومال کی تحریک میں ان بزرگوں نے بھرپور حصہ لیا تھا۔

برطانوی سی آئی ڈی کی رپورٹ کے مطابق خلیفہ غلام محمد جنود ربانیہ میں لیفٹیننٹ جنرل کا عہدہ رکھتے تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے انہیں کابل آنے کی دعوت دی۔ لیکن موصوف سفر کی صعوبتوں کی بنا پر وہاں نہ جا سکے۔

انگریز حکام نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ۱۹۱۵ء میں بلوچستان میں انگریزی سامراج کے خلاف قبائلیوں نے جو بغاوت کی تھی۔ وہ خلیفہ صاحب کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ تحریکِ آزادی میں حصہ لینے کے "جرم" کی پاداش میں برطانوی حکومت نے خلیفہ صاحب کو گرفتار کر کے نور محل (ضلع جالندھر) میں نظر بند کر دیا۔ جب موصوف رہا ہو کر دین پور تشریف لے گئے تو ان کی نقل و حرکت پر کڑی پابندیاں عائد کر دیں۔

حصولِ آزادی کے بعد تنگ نظر مؤرخوں نے ان مجاہدین آزادی کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور ہمارے جن بزرگوں نے انگریزی عہد میں قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں اور شدید گرمی کے موسم میں ماہ رمضان میں روزے رکھ کر کال کوٹھڑیوں میں کھڑے ہو کر روزانہ من من بھر دانے پیسے، ان کے نام تحریک آزادی کی تاریخ لکھتے وقت دیدہ دانستہ طور پر حذف کر دیے گئے۔

راقم الحروف نے مشہور مورخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب کی کتاب ــــ برعظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ ــــ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اس کتاب میں فاضل مصنف نے تحریکِ آزادی کے ابواب لکھتے وقت ان مسلمانوں کا ذکر نہیں کیا جو مجلسِ احرار اسلام، خاکسار تحریک یا جمعیت علماء ہند سے وابستہ تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی مرتب کردہ تاریخ پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کے علاوہ مسلمانوں کی کسی دوسری سیاسی جماعت نے تحریکِ آزادی میں حصہ نہیں لیا۔

راقم الحروف کو مجلس احرار اسلام سے بہت سے گلے ہیں۔ خاکساروں سے بھی کئی شکایتیں ہیں اور جمعیت علماء ہند کے سیاسی مسلک سے بھی اختلاف ہے۔ لیکن حصولِ آزادی کے لیے ان کی جدوجہد قربانیاں اور انگریز دشمنی سے چشم پوشی ممکن نہیں۔

مولانا تاج محمود امروٹیؒ کے دل میں انگریزوں کے خلاف جو نفرت تھی اس کی شدت کا اندازہ ان کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے کہ موصوف فرمایا کرتے تھے کہ ان کا جی چاہتا ہے کہ قصر بکنگھم میں جا کر جارج پنجم کی گردن مروڑ ڈالیں۔ اسی طرح امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کبھی کبھی ــــ لعنت بر پدرِ فرنگ ــــ کا نعرہ مستانہ لگایا کرتے تھے۔ پنجاب کے ان پیروں اور سجادہ نشینوں کو حضرت امروٹیؒ یا شاہ جیؒ سے کیا نسبت ہو سکتی ہے جنہوں نے پنجاب کے رسوائے زمانہ گورنر مائیکل اڈوائر کو اس کی ملازمت سے سبکدوشی کے موقعہ پر ملتان میں سپاس نامہ پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ لندن جا کر ان کی وفاداری

اور خلوص و ایثار کو فراموش نہ کردے اور ان کے پُرخلوص جذبات سے ملکِ معظم جارج پنجم کو بھی آگاہ کردے۔ تحریکِ آزادی میں ان پیروں اور سجادہ نشینوں کی "خدمات" کو ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور ان کے ہمنواؤں نے اپنی تصانیف میں بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ لیکن جارج پنجم کی گردن مروڑنے کی تمنا رکھنے والے، انگریزوں کو تبرا کرنے والے بزرگوں کا ذکر تک نہیں کیا۔

ع نیرنگیٔ سیاست دوران تو دیکھئے
منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

ہمیں اس بات کا گلہ ہے کہ قریشی صاحب نے اپنی کتاب کا نام تو — برِصغیر پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ — رکھا ہے۔ لیکن اس میں ذکر صرف مسلم لیگ کا کیا ہے۔ حالانکہ ملتِ اسلامیہ میں مذکورہ بالا سیاسی جماعتیں بھی شامل ہیں۔ علمائے دیوبند نے انگریزوں کے خلاف اس وقت علم جہاد بلند کیا جب ابھی گاندھی جی اور قائدِ اعظم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اور انڈین نیشنل کانگرس اور آل انڈیا مسلم لیگ کی تشکیل کا ہیولا بھی کسی کے ذہن میں نہیں بنا تھا۔ اکابر دیوبند نے اس خوابیدہ قوم کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر خواب غفلت سے بیدار کیا۔ جب کوئی قوم بیدار ہوجائے تو پھر کوئی بھی اس کی قیادت کرسکتا ہے۔ اصل اور مشکل کام تو قوم کو بیدار کرنا ہے۔ یہ بڑے اچنبے کی بات ہے کہ برِصغیر کے ایک نامور مورخ کو مسلم لیگ کے علاوہ مسلمانوں کی اور کوئی جماعت تحریکِ آزادی میں شامل نظر نہیں آئی۔ ابھی حال ہی میں دیوبند سے مولانا انظر شاہ صاحب نے اپنے عظیم والد مولانا محمد انور شاہ نور اللہ مرقدہٗ کی سوانح حیات — نقش دوام — کے عنوان سے شائع کی ہے۔ اسے پڑھ کر ایک قاری یہی تاثر لیتا ہے کہ حنفیوں کے علاوہ کسی فقہی مسلک سے وابستہ لوگ مسلمان نہیں ہیں اور اسلام درحقیقت حنفیت ہی کا دوسرا نام ہے۔ یہ حقائق سے چشم پوشی کی انتہا ہے اس دور میں اس طرح کے رجحانات کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

اکابرین دیوبند اور بزرگانِ بھرچونڈی، امروٹ اور دین پور شریف کی زندگیاں دیکھ کر قرنِ اول کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوجاتی ہے امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ان بزرگوں کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا قافلہ جارہا تھا کہ یہ لوگ پیچھے رہ گئے۔

یہ بھی ایک عجب اتفاق ہے کہ علم و عرفان کے یہ چاروں چشمے حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض و کرم کے بحرِ بیکراں سے سیراب ہوتے ہیں اور ان چاروں مراکز کے بانی سید صاحبؒ کے دامن ارادت سے وابستہ تھے۔ سید صاحبؒ نے ان بزرگوں میں جہاد کی ایسی رُوح پھونکی کہ یہ بزرگ زندگی بھر انگریزوں سے برسرِ پیکار رہے۔ آج برِصغیر پاک و ہند کی ایسی کونسی جیل ہے جسے اس سلسلۂ جنون کے بزرگوں نے اپنے انفاسِ طیبہ سے معطر نہیں کیا۔

بزرگانِ بھرچونڈی، امروٹ اور دین پور شریف نے اپنے اپنے حلقوں میں شرک و بدعت کو مٹا کر لوگوں کے دلوں میں توحید راسخ کی۔ ان کے مرید ایک دوسرے کو نام لے کر مخاطب کرنے کی بجائے — لا الہ الا اللہ — یا پھر — اللہ ھو — کہہ کر اپنی طرف متوجہ کیا کرتے تھے۔ ان بزرگوں کا امتِ مرحومہ پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اپنی سعی و کاوش سے مروجہ تصوف کو قرنِ اوّل کا احسان بنادیا اور جنیدؒ و بایزیدؒ کی یاد تازہ کردی۔ تصوف کے اس سلسلے میں حجروں میں بیٹھ کر اذکار و اشغال کرنے کی نسبت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی طرح مجاہدین کے اونٹ چرانے کو کہیں اونچا درجہ دیا گیا ہے یہاں راقم الحروف کو بخاری شریف کی ایک حدیث یاد آگئی۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس کہیں سے بہت سی چادریں آئیں۔ انہوں نے اعلان کیا کہ مدینہ طیبہ کی عورتیں آکر چادریں لے جائیں۔ آخر میں ایک بڑی عمدہ چادر بچ گئی۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ آپ یہ چادر اپنی اہلیہ سیدہ ام کلثومؓ کے لئے لے جائیں۔ امیر المومنینؓ نے فرمایا کہ اُمّ کلثومؓ سے اس چادر کی زیادہ مستحق ام سلیطؓ ہے جو اُحد کے میدان میں اپنی پیٹھ پر مشک لاد کر زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ اگر ہزاروں صالح مسلمانوں کی زندگی بھر کی تہجد، اشراق اور چاشت کی نمازیں جمع کرلی جائیں تو بھی ان کا اجر پانی کے اس ایک گھونٹ کے برابر نہیں ہوسکتا جو ام سلیطؓ میدانِ اُحد میں ایک زخمی مجاہد کے حلق میں ڈالتی تھی۔ بزرگانِ بھرچونڈی، امروٹ اور دین پور شریف اسلام کی صحیح رُوح کو سمجھ گئے اور انہوں نے تسبیح و تہلیل کی بجائے اپنے مریدوں کو نشانہ بازی اور بارود سازی کی تعلیم دے کر انگریزوں کے خلاف جہاد کے لئے تیار کیا۔

"یدِ بیضا" میں سلسلہ قادریہ راشدیہ، جس سے یہ تینوں خانوادے وابستہ تھے، کے خانقہی نظام پر بڑی اچھی روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً دین پور شریف کی خانقاہ میں بیت المال قائم تھا۔ مرید اور عقیدت مند خلیفہ صاحبؒ کی خدمت میں جو نذرانے نقد و جنس کی صورت

میں پیش کرتے۔ وہ سب بیت المال میں داخل کر دیئے جاتے اور اس میں سے مستحق کے علاوہ یتامیٰ اور بیوگان کو ماہ بماہ ان کی ضرورت کے مطابق نقد و جنس ملتے رہتے۔ خلیفہ صاحبؒ اپنی ذاتی زمین کی آمدنی بھی بیت المال میں داخل کر دیتے اور جب ضرورت پڑتی تو گزارہ کے لئے معمولی سی رقم یا جنس بیت المال سے لے لیتے۔ مساوات اور "سویت" کی اس سے بہتر تعلیم اسلام کے علاوہ اور کونسا نظام حیات پیش کر سکتا ہے؟

ان بزرگوں نے مختلف علاقوں میں کام کرنے کے لئے تبلیغی جماعتیں قائم کیں۔ ان جماعتوں کے ارکان دوسروں پر بوجھ بننا پسند نہ کرتے تھے۔ اس لئے یہ تبلیغی دوروں پر جاتے وقت بیت المال یا اپنے گھروں سے سامان خورد و نوش لے جاتے تھے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ یہ جماعتیں اس زمانے میں کام کر رہی تھیں جب امام الدعوۃ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے ذہن میں ابھی تبلیغی جماعت کے قیام کا ہیولا بھی تیار نہیں ہوا تھا۔

حسنِ اتفاق سے مولانا عبید اللہ سندھیؒ ان تینوں خانوادوں سے وابستہ تھے اور انہی بزرگوں کی تربیت سے موصوف بوٹا سنگھ سے امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ بنے تھے۔ اس بات میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں کہ برصغیر کے سیاسی اور دینی حلقوں میں ان خانوادوں کا تعارف حضرت سندھیؒ ہی کی وجہ سے ہوا۔ اگر حضرت سندھیؒ کو ان تینوں خانوادوں کا ماحصل کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا

راقم الحروف کو حال ہی میں ایک علم دوست بزرگ کے مجموعۂ نوادرات میں سے امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے ۳۶ مکتوبات ملے ہیں مولانا سندھیؒ ۱۹۴۴ء میں اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے ۱۹۱۶ء میں کابل میں قیام کے دوران میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کی سعی و کاوش سے کانگرس اور مسلم لیگ میں میثاق لکھنؤ کے نام سے ایک معاہدہ طے پایا تھا اور ہندو مسلم اتحاد کے لئے قائد اعظم کی خدمات کو سراہتے ہوئے کانگرسی لیڈروں نے انہیں "ہندو مسلم اتحاد کا سفیر" کہا تھا۔

جہاں تک مولانا سندھیؒ کی طرف سے تقسیم ہند کی تجویز کا تعلق ہے تو اس ضمن میں عرض ہے کہ ۱۹۲۰ء میں قاضی عزیز الدین احمد بلگرامی نے اپنے بھائی عبد القادر بلگرامی کے نام سے بدایوں اخبار ذوالقرنین میں "گاندھی کے نام کھلی چٹھی" کے عنوان سے ایک مضمون چھپوایا جس میں انہوں نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی۔ ۱۹۲۳ء میں ڈیرہ اسمٰعیل خان کے ایک باشندے محمد گل خان نے ایک انکوائری کمیشن کے روبرو بیان دیتے ہوئے تقسیم ہند کا ذکر کیا تھا۔ ۱۹۲۴ء میں لالہ لاجپت رائے نے بھی تقسیم ہند کی طرف اشارہ کیا۔ ۱۹۳۰ء میں الہ آباد کے تاریخی جلسے میں علامہ اقبال نے اس تجویز کی تائید کی اور ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے لاہور میں اپنے ایک تاریخ ساز اجلاس میں انگریزوں سے تقسیم ہند کا مطالبہ کیا اب بعض اہلِ نظر نے علی گڑھ کے مشہور استاد مسٹر مارسین کی ایک تصنیف کے حوالے سے یہ کہنا شروع کیا ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے ۱۸۹۹ء میں تقسیم ہند کی طرف اشارہ کیا تھا۔ تقسیم ہند کی تجویز پیش کرنے والے بزرگوں کی اس فہرست میں کسی مورخ نے مولانا سندھیؒ کا نام نہیں لکھا۔ حالانکہ وہ مسلم مفکروں میں پائینر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ادھر بھارت میں حصولِ آزادی کے بعد جتنی تاریخیں لکھی گئی ہیں، ان میں تحریک آزادی میں مسلمانوں کے کردار کو حذف کر دیا گیا ہے بھارتی مورخوں کی تصانیف پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے سرے ہی سے تحریک آزادی میں حصہ نہیں لیا۔ ادھر پاکستانی مورخوں نے جو کتابیں لکھیں ان کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ہندوؤں نے تحریک آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا اور وہ انگریزوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرتے رہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ان تاریخی اغلاط کی تصحیح کی جائے اور جن لوگوں نے تحریک آزادی کے دوران میں انگریزوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں اور جیل کی کال کوٹھڑیوں کو اپنے اذکار و اشغال سے منور اور معطر بنائے رکھا، انہیں تاریخ میں ان کا جائز مقام دیا جائے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زیر تبصرہ کتاب کے پروف بڑی لاپرواہی سے پڑھے گئے ہیں فاضل مصنف کی کوتاہی یا کاتب کی غلطی سے ابو علی فارمدی سے ابو علی فاوندی، عبد الخالق غجدوانی سے عبد الخالق نجودانی، عارف دیوگری سے عارف اگوکری، محمود فغنوی سے محمود تعغنوی، علی رامیتنی سے علی براتینی، بابا سماسی سے بابا مسماتی، میر کلال سے میر کلاں اور باقی باللہ سے عارف باللہ بن گئے۔ اس طرح کی علمی کتاب میں جو ایک مرکز علم و عرفان میں لکھی گئی اور دوسرے علمی اور روحانی مرکز میں طبع ہوئی۔ اس طرح کی اغلاط ناقابل معافی ہیں۔ ان اغلاط نے اس علمی کتاب کو [illegible] کے زمرے میں شامل کر دیا ہے

اسلام — جمہوریت — سوشلزم

اور

اسلام کا معاشی و اقتصادی نظام

غلام اکبر سلیمانی

اسلام اتنا جامع اور کامل نظام ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور نظام کی ضرورت نہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام، جمہوریت اور سوشلزم پر اجمالی روشنی ڈالی جائے تاکہ تینوں نظاموں کا فرق واضح ہو کر اقوام عالم کے لئے اسلامی نظام کے فوائد جو روزِ روشن کی طرح واضح ہیں، سامنے آئیں اور اس کے بعد اسلام کے معاشی و اقتصادی نظام کی وضاحت کر دی جائے۔ سوشلزم دنیا کے چند کمیونسٹ ملکوں میں رائج شدہ ایک نظام مملکت ہے جس کی بنیاد انکارِ مذہب، انکارِ نبوت و رسالت اور انکارِ خدا سے شروع ہوتی ہے۔ اس نظام میں تمام ذرائع پیداوار پر حکومت کا قبضہ ہوتا ہے۔ ملک میں رہنے والوں کی ذاتی ملکیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انسانی گزر اوقات کے لئے مساوات کے نام سے جو معاوضہ دیا جاتا ہے وہ ایک غیر فطری طریق ہے۔ خالقِ کائنات نے نہ پیدائش میں تمام انسانوں کو یکساں بنایا ہے، نہ سب کی ضروریات اور تقاضے یکساں ہیں۔ جب انسان جسمانی طاقت و قوت اور دماغی صلاحیتوں میں نہ تو برابر ہیں اور نہ تو برابر ہو سکتے ہیں تو ان سب کے لئے ایک ہی جیسا معاوضہ کس طرح قرینِ قیاس ہو سکتا ہے۔ سوشلسٹ ممالک میں کسی شخص کو اختلافِ رائے کا کوئی حق نہیں دیا جاتا۔

جمہوریت مغربی ممالک میں ایک نافذ شدہ نظامِ حکومت ہے۔ جس میں حاکمیت کا اختیار عوام کو حاصل ہے اور جملہ امور کے فیصلے انسانوں کی کثرتِ تعداد پر کئے جاتے ہیں۔ اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی کہ کسی معاملہ کے حُسن و قبح یعنی اس کی خوبی و برائی پر دلائل سے کوئی بحث ہو بلکہ صرف گنتی زیادہ ہو جانے پر ہی فیصلہ کر دیا جاتا ہے اس لئے اس جمہوری طریقہ سے بھی گریز کرنا چاہیئے اور ایک ذاتِ خداوندی کے پختہ غلام اور فرمانبردار بن کر رہنا چاہیئے۔

اسلام، اسلامی شوریٰ کی بنیاد دو باتوں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض احکام انسانوں کے لئے صراحت سے فرما دیئے کہ یہ کرو مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صلہ رحمی وغیرہ اور بعض سے منع فرما دیا۔ جیسے سود، شراب، زنا، جھوٹ وغیرہ۔ ان احکامات میں کسی فرد یا حکومت کو حق حاصل نہیں کہ وہ اس میں بحث کرے یا کسی ترمیم و تنسیخ کی تجویز پیش کرے۔ لیکن جو ہماری ضروریات نصوصِ قطعیہ یعنی قرآن و سنت کے احکام سے متصادم نہ ہوں، ان میں ہم اپنے حالات اور تقاضوں کے مطابق مشورہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اسلامی شوریٰ انسانوں کی کثرت یا صرف گنتی کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتی بلکہ اس کا طریق یہ ہے کہ ارکانِ شوریٰ میں سے جو شخص علم و تقویٰ اور معاملہ فہمی میں زیادہ ذی استعداد ہو اس کو امیر بنایا جائے مجلس میں بیٹھنے والا ہر شخص خالی الذہن ہو کر بیٹھے جب کوئی امر برائے مشورہ پیش ہو اس میں بلا کسی رعایت اور جانبداری کے ہر شخص اپنی رائے دلائل کے ساتھ پیش کرے۔ امیر سب کے دلائل سُن کر اور معاملہ کے حُسن و قبح پر بحث کے بعد فیصلہ صادر فرمائے اب یہ فیصلہ شوریٰ کا متفقہ فیصلہ ہو گا کثرتِ رائے کا فیصلہ نہیں ہو گا اور امیر کے فیصلہ کی اطاعت سب کے لئے اسی طرح ضروری ہے جیسی خلیفہ وقت کی اطاعت۔ معلوم یہ ہوا کہ اسلامی شوریٰ کی بنیاد قوت دلیل اور اطاعت امیر پر ہے نہ کہ کثرتِ تعداد پر اب ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ دوسرے نظاموں کی اسلامی نظام کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہے۔ پہلے سوشلزم، جمہوریت اور اسلام پر بحث تھی۔ اب ضرورت ہے کہ اسلام میں

معاشی واقتصادی نظام کا اجمالی خاکہ پیش کیا جائے۔ اسلام میں تعمیر معاشرہ کے لئے افراد کے کردار اور ذاتی اعمال پر سب سے پہلے زور دیا گیا ہے۔ جس شخص نے ذاتی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر یا حالاتِ زمانہ سے فائدہ اٹھا کر اسباب معیشت زیادہ جمع کر لئے اسے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تیرے پاس جو کچھ آیا ہے وہ صرف اس لئے نہیں کہ تو اپنی حاجات کو پورا کر کے بقیہ کو عیش و عشرت میں ضائع کر دے یا اسے منجمد کر کے رکھ دے کہ وہ کسی بھی مصرف کا نہ رہے بلکہ اول تو اپنی حاجت سے زائد کو تنگ دستوں اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دو یا اگر عید الفطر کے موقع پر تمہارے پاس اتنا مال آگیا ہے کہ سال پورا ہونے پر تم صاحب نصاب بن جاؤ تو صدقہ فطر ادا کر کے ناداروں کی عید کا سامان کرو۔ اگر عید الاضحیٰ پر تمہارے پاس نصاب کے بقدر مال آگیا ہے تو قربانی خریدو یہ مال کا خرچ بھی ہے پھر اسے ذبح کرو۔ بقدرِ حاجت کھا کر باقی حاجت مندوں میں تقسیم کر دو کہ وہ بھی پیٹ بھر کر کھا سکیں اور جانور کی کھال بھی کسی کی حاجت مندی میں سہارا بن جائے۔ اگر کسی سے غلطی میں قسم ٹوٹ گئی ہے تو بطور کفارہ دس مساکین کو کھانا کھلائے اگر فرض روزہ عمداً ٹوٹ گیا ہے اور ساٹھ روزے متواتر رکھنے کی ہمت نہیں تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اگر تمہارے گھر میں اللہ تعالیٰ نے اولاد دی ہے تو لڑکے کے لئے دو اور لڑکی کے لئے ایک جانور ذبح کر کے بقدر حاجت رکھنے کے بعد فقراء میں تقسیم کر دو اگر حوادث اور بلاء سے بچاؤ چاہتے ہو تو صدقہ دیتے رہو۔ اگر مملکت کو دشمنوں سے مقابلہ درپیش ہے تو حسب استطاعت معاونت اور نصرت کرو۔ ان تمام اخراجات کے بعد بھی اگر تمہارے پاس مال رہ گیا ہے اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اڑھائی فیصد نقد یا زیورات پر دس فیصد۔ بارانی پیداوار پر پانچ فیصد، چاہی یا نہری پیداوار کی ہر فصل پر غرباء اور مساکین کو دے دیا کرو الغرض ارتکاز دولت کی جتنی روک تھام اسلام نے کی ہے شاید کسی اور نظام یا مذہب میں نہ ملے۔ گویا سب سے پہلے افراد کو ترغیب کے بعد تیار کیا کہ تیرے مال میں غرباء، مساکین اور حاجتمندوں کا بھی حق ہے اور اگر تو خدا کو راضی کرنا چاہتا ہے تو اس حق کو پورا کر۔

مملکت اسلامیہ اس پر مامور ہے کہ زکوٰۃ، عشر اور دیگر صدقات واجبہ کو خود جمع کر کے بیت المال بنائے بلکہ اگر مذکورہ بالا مدات کی آمدنی سے معیشتی نظام کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں تو حسبِ ضرورت مزید ٹیکس بھی لگائے۔ ملک کے ایسے افراد جن کا کاروبار حوادثِ زمانہ یا ان کے ذاتی اعذار کی وجہ سے اس قابل نہ رہے کہ ان کے خاندان کی گزر اوقات کے لئے کافی ہو تو حکومت بیت المال سے قرض دے کر اس کی معاشی حالت کو درست کرنے کی ضامن ہے جو لوگ حادثات، بیماریوں یا فوجی خدمات کی انجام دہی میں مستقل معذور ہو جائیں ان کے لئے تاحیات حکومت کی جانب سے وظیفہ مقرر کیا جائے گا۔ اگر ملک میں عام قحط کے حالات رونما ہو جاتے ہیں تو حکومت وقت صاحب ثروت اصحاب سے بایں قدر جس سے وہ خود افلاس میں مبتلا نہ ہو لے کر حاجت مندوں میں تقسیم کر سکتی ہے کسی صورت میں بھی حکومت کو بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ ملک کے معاشی فلاح سے دستبردار ہو جائے حضرت عمرؓ کا یہ قول اس کے لئے کتنی بڑی سند ہے کہ اگر دریائے فرات کے کنارہ پر ایک کتا بھوک سے ہلاک ہو جائے تو عمرؓ سے قیامت کے دن اس کا سوال کیا جائے گا۔ جس اسلامی نظام میں ایک حقیر ترین جانور یعنی کتے کی جان کے لئے امیر المومنین جواب دہ ہو سکتا ہے اس مملکت میں کوئی انسان فقر و فاقہ میں مبتلا ہو تو حکومتِ وقت کیسے بری الذمہ ہو سکتی ہے۔ اسی طرح انسانوں کی تعلیم، علاج اور رہائش کے باوقار مواقع مہیا کرنا حکومت کے فرائض میں سے ہے۔ جس کے شواہد اسلام میں موجود ہیں۔ الغرض اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو تمام بنی نوع انسان کی مکمل راہنمائی کر سکتا ہے۔

آیت کریمہ کا ورد

۲۸ جون کو ہو گا۔ انشاء اللہ

ایک نامور خاتون

از مریم صدیقہ

ایک حدیث ہے کہ انسان پہلے آسمان پر مقبول ہو لیتا ہے تب زمین پر مقبول ہوتا ہے یعنی جو شخص اپنی نیکیوں اور اعلیٰ انسانی صفات کی بدولت اپنے آپ کو خدا کا مقبول بندہ ثابت کرتا ہے اس کی تمام لوگ عزت کرنے لگتے ہیں اور وہ دنیا میں ہر دلعزیز ہو جاتا ہے۔

خدا کی مقبولیت اور دنیا میں ہر دلعزیزی علم و عقل سے حاصل ہوتی ہے اور نہ حسن و جمال سے ملتی ہے اس کے حصول کا ذریعہ صرف ایک چیز ہے "نیکی"۔ مصر ہی میں دیکھو فرعون کتنا طاقتور تھا۔ ہامان اس کا وزیر کتنا عقلمند تھا قارون کس قدر دولت مند تھا مگر سب کے سب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مردود ہوئے اور تمام مخلوق کے نزدیک ملعون ٹھہرے۔

اسی مصر میں ایک غریب اور کمزور خاتون جس کا نام سیدہ نفیسہ تھا گزری ہے جس کے پاس نہ سلطنت تھی نہ جاہ و جلال تھا مگر دل میں نیکی اور پرہیزگاری تھی اسی کی بدولت وہ آج ساڑھے بارہ سو سال گزرنے کے بعد بھی اس قدر مقبول ہے کہ لوگ اس کی پرستش نہیں کرتے اور باقی سب کچھ کرتے ہیں۔

سیدہ نفیسہؓ امام حسنؓ کے بیٹے زید کی پوتی ہیں ان کے باپ کا نام بھی حسن ہے۔

ان کی پیدائش ۱۴۳ھ میں مدینہ شریف میں ہوئی۔ پہلے قرآن شریف حفظ کیا، پھر علم، تفسیر، حدیث اور فقہ حاصل کیا۔ ان کے والد حسن خلیفہ بغداد ابو جعفر کی طرف سے ۱۵۰ھ میں مدینہ کے حاکم مقرر ہوئے۔ اسی سال حضرت جعفر صادقؒ کے بیٹے اسحاق المؤتمن کے ساتھ نکاح کر دیا۔ وہ ان کو مکے میں لے گئے اور وہیں رہنا شروع کیا۔

۱۵۶ھ میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ خلفائے عباسی حضرت علیؓ کی اولاد کے دشمن ہو گئے چنانچہ سیدہ نفیسہ کے والد کو بھی خلیفہ منصور نے قید کر لیا، اور ان کا مال و متاع ضبط کر لیا۔

ان مخالفتوں کی وجہ سے سیدہ نفیسہ مع اپنے شوہر اسحاق المؤتمن کے مکے سے مصر چلی گئیں اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔

سیدہ کے علم و فضل اور خاص کر خاندانِ نبوت سے ہونے کی وجہ سے مصر والوں نے بڑی دھوم دھام سے استقبال کیا مقام عریش تک ہزارہا عورتیں اور حکام تجار اور علماء اور فضلا ان کی پیشوائی کے لئے آئے وہ مصر کے ملک التجار جمال الدین عبداللہ کے یہاں فروکش ہوئیں۔ مصر اور اس کے اطراف کے تمام لوگ برکت حاصل کرنے کی غرض سے ان کے پاس آتے تھے اور ہر وقت ان کا مسکن علماء و فضلاء نیز مختلف طبقہ کے لوگوں سے بھرا رہتا تھا۔ امام شافعی بھی ان کی خدمت میں آکر حدیث سنتے اور ان کا بہت احترام کرتے تھے۔

اسی درمیان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک یہودن بڑھیا اپنی اپاہج لڑکی کو لے کر ان کے پاس آئی ان کی دعا کی برکت سے وہ لڑکی بالکل اچھی ہو گئی جس کی وجہ سے اس لڑکی کا تمام محلہ مع اپنے والدین کے مسلمان ہو گیا۔ یہ کرامت دیکھ کر اس قدر خلقت ٹوٹی کہ سیدہ گھبرا گئیں اور مکے واپس جانے کا ارادہ کیا۔

مصر والوں پر یہ امر بہت شاق گزرا۔ انہوں نے مصر کے حاکم سری بن الحکم کو آمادہ کیا کہ جس طرح ہو سکے سیدہ کو مصر میں روکے۔ سری ان کے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ یہاں سے کیوں تشریف لے جانا چاہتی ہیں انہوں نے کہا کہ کثرت ہجوم سے میں عبادت نہیں کر سکتی اور نیز یہ کہ میرا مکان بھی تنگ ہے اس میں اس قدر اژدہام کی گنجائش نہیں سری نے کہا کہ مکان کا تو یہ علاج ہے کہ میرا ایک مکان محلہ درب السباع میں نہایت وسیع ہے میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اس کو آپ کے لئے وقف کر دیا اور اس اژدہام کا بندوبست یہ ہے کہ ہفتہ میں دو روز مقرر کر دیجئے کہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور باقی دنوں میں کوئی نہ آنے پائے تاکہ آپ اطمینان سے عبادت کر سکیں۔

سیدہ نفیسہ نے شنبہ اور چہار شنبہ لوگوں کے واسطے مقرر کر دیا اور وہ سری کے محل میں جا کر رہنے لگیں۔ حکام مصر نے بڑی رقم آپ کے گزارے کے لئے مقرر کر دی۔ جس سے آپ اپاہجوں اور مسکینوں کی مدد کرتی تھیں۔ سیدہ بڑی عبادت گزار تھیں اور انہوں نے تین حج کئے۔ اکثر روزے رکھا کرتی تھیں۔ رات رات بھر عبادت میں کھڑی اللہ کی درگاہ میں رویا کرتی تھیں۔

ان کی وفات بھی ناگہانی طور پر وقوع میں آئی۔ ۲۰۸ھ میں رمضان کے مہینے میں جب کہ ان کی عمر ۶۴ سال کی تھی۔ روزہ رکھے ہوئے قرآن شریف کی تلاوت کر رہی تھیں۔ یکایک ضعف طاری ہوا [illegible] انتقال کر گئیں۔

بچوں کا صفحہ

مدفون شہر

راشد علیزئی

اٹھارہ سو سال سے بھی پہلے کا واقعہ ہے کہ "اٹلی" میں "بومبی" پہاڑ کے قریب ایک بہت بڑا شہر تھا وہاں کے رہنے والے بڑے امیر اور اہل ثروت تھے۔ اپنی زندگیوں سے خوب لطف اٹھا رہے تھے نہ کسی چیز کی فکر تھی اور نہ ہی آئندہ کے لئے کسی بات کا خطرہ و خدشہ تھا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ وہ لوگ بڑے شہوت ران اور حرام کار تھے۔ بے حیائی اور خدا کی نافرمانی کھلے عام کرتے نہ خدا سے شرماتے اور نہ ہی لوگوں سے، ان میں ایک نہایت متقی پاک طینت اور نیک دل آدمی تھا۔ خدا سے ڈرتا اور خدا سے خوف کھاتا نہ بے حیائی میں ملوث ہوتا اور نہ اس کا ارتکاب کرتا۔ جب اس نے لوگوں کو شہوت رانی میں دیکھا تو رو کا خدا کے غضب سے ڈرایا لیکن وہ لوگ نہ ڈرے اور نہ ہی خوف کھایا۔

ایک دن زمین لرزنے لگی اور زلزلہ سخت ہوگیا، دیواریں پھٹ گئیں، گھر گر گئے، کھمبے ٹوٹ پڑے۔ پاک طینت نے قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ لوگو! خدا کی قسم یہ خطرے کا الارم ہے اگر تم اپنے قلوب کی اصلاح نہ کرو گے اور اپنے آپ کو سدھارو گے نہیں تو آنے والا عذاب اس سے زیادہ دردناک ہوگا۔ قوم پر ان باتوں کا ذرا اثر نہ ہوا۔ اس نے ان باتوں کو سن کر تمسخر اور مذاق اڑایا۔ گری پڑی دیواروں اور مکانات کی مرمت کر ڈالی۔ ہلاک شدہ محلوں کو پھر سے بسالیا اور شہوت رانی، حرام کاری اور برے افعال میں بدستور رہے۔ نیک طبیعت آدمی لوگوں کی اصلاح سے مایوس ہو گیا اور انہیں چھوڑ چھاڑ کسی طرف کو نکل گیا اسے گئے ہوئے چند ہفتے بھی نہ گزرے تھے کہ دردناک عذاب آپڑا جسے تاریخ آج تک بیان کر رہی ہے اور جس پر اٹھارہ سو سال سے زیادہ دن بیت چکے ہیں۔

۷۹ء کی صبح "بومبی" والوں کے لئے آخری صبح تھی جب لوگوں نے دیکھا کہ قریب کے پہاڑ سے دھواں اٹھ رہا ہے جس سے فضا تاریک ہوگئی، آسمان چھپ گیا اور پھر آگ بھڑک اٹھی جس کے بھاری بھرکم شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اور پھر پہاڑ سے شہر کی طرف آگ کا زوردار سیلاب چل پڑا۔ فضا میں دم گھٹانے والا زہریلا دھواں پھیل گیا شہر کے سارے لوگ گھٹ کر ہلاک ہو گئے ایک بھی زندہ نہیں بچا۔ مکانات، دکانوں اور فیکٹریوں کے اوپر مٹی کی تہ جم گئی اور اس کے اوپر آگ کا انبار آگیا جس سے شہر قبر کی صورت میں بدل گیا نہ محلات رہے نہ فیکٹریاں اور نہ ہی اسباب تعیش گویا ترقی یافتہ کوئی شہر نہیں تھا بلکہ خواب تھا جسے بیداری نے سارے کھیل تماشے کو مٹا ڈالا تھا یا چراغ کی لو تھی جسے ہوا کے جھونکے نے بجھا دیا تھا یا اندھیرے میں خیالی صورتیں تھیں جو روشنی پاتے ہی گم ہو گئیں تھیں نہ کوئی منظر رہا اور نہ ہی کوئی خبر۔

۱ ابھی چند سال ہوئے ہیں اہل تحقیق نے اس چٹیل میدان کو کھودا تو مٹی کی ہلکی تہہ کے نیچے شہر "بومبی"، کل کا کل بعینہٖ مدفون تھا۔ لوگوں کی نعشیں بالکل محفوظ تھیں نہ سڑی اور نہ ہی انہیں کیڑوں مکوڑوں نے کھایا تھا اس لئے کہ آگ کا سیلاب جس نے شہر کو اب سے بہت پہلے ڈھانپ لیا تھا اور اس کے رہنے والوں کو ہلاک کر ڈالا تھا ۱۳ میں "نمود" کے مثل مادے تھے جو مردوں کے جسم کو گلنے سڑنے سے محفوظ رکھتے تھے۔

لوگوں کی ہیئت اور ان کی صورتیں دیکھنے پر معلوم ہوتا کہ زندہ ہیں ان میں کوئی دسترخوان پر تھا کوئی ہل چلا رہا تھا تو کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ مزدور کاموں میں مصروف تھے۔ خادم مالک کے سامنے کھڑے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان پر موت اچانک واقع ہوگئی ہے نہ تڑپنے کی فرصت ملی تھی نہ پھڑکنے کی۔

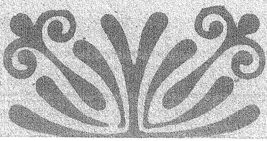
بقیہ : حضرت نانوتویؒ

سلسلہ نبوی کے لئے نقطہ ذات محمدی منتہی ہے آپ پر حرکت سلسلہ نبوت مبدل بسکون ہو چکی ہے اس لئے آپ زمانہ آخر میں ظہور پذیر ہوئے۔ اور آپ آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد سلسلہ نبوت بند ہو چکا ہے۔

تلک عشرۃ کاملۃ

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ حضرت نانوتویؒ پر عائد کردہ الزام سراسر باطل ہے۔

امید ہست کہ بیگانگیٔ عرفی را
بدوستی سخن ہائے آشنا بخشند



دورۂ تفسیر

یکم شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ سے شروع ہو رہا ہے

قطب الاقطاب شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے اتباع میں اس سال بھی تشنگانِ علومِ قرآنیہ کے لیے یکم شعبان سے دورۂ تفسیر قرآن کا آغاز ہو رہا ہے۔

حضرت شیخ التفسیرؒ کے طریق تدریس کے مطابق جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی ربطِ آیات کے ساتھ قرآن کریم کی تفسیر پڑھائیں گے۔

قلم، دوات، کاغذ اور قیام و طعام کا انتظام انجمن کی طرف سے ہو گا۔ کامیاب حضرات کو سید العرب و العجم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مفکرِ اسلام قائد انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ، محدثِ اعظم علامہ زماں سید الاتقیا حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، قطبِ زماں ولی جلیل شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مدظلہ العالی کی دستخط شدہ اسناد دی جائیں گی۔ حسب دستور فرقہ ہائے باطلہ کی تردید بھی پڑھائی جائے گی۔

ناظم انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور

جامعہ عربیہ دار العلوم دینیہ رجسٹرڈ مقامِ حیات سرگودھا

میں

امسال بھی یکم شعبان المعظم سے ۲۵ شعبان المعظم تک

حضرت مولانا قاری شہاب الدین صاحب دورۂ تفسیر قرآن کریم پڑھائیں گے

طلباء کرام کے قیام و طعام کا انتظام جامعہ ہذا کی طرف سے ہو گا۔ اور مستحق طلباء کو سندات بھی دی جائیں گی۔

نوٹ: دورۂ تفسیر میں میٹرک، ایف اے، ایم اے وغیرہ کے طلباء اور اساتذہ کرام اور وکلاء حضرات بھی شریک ہو سکتے ہیں۔

المعلن

محمد اقبال ناظم جامعہ عربیہ دار العلوم دینیہ رجسٹرڈ مقام حیات، عمر چوک سرگودھا — فون پی پی ۲۵۱۷

(5036)

خراجِ عقیدت

بحضور امیر المومنین حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ

از جناب اثر زبیدی لکھنوی

رونقِ صبحِ جلالت، زینتِ اورنگِ شام
فاتحِ اقلیمِ روما، ناشرِ دینِ ہمام
کاتبِ وحیِ الٰہی، صاحبِ تاج و حسام
صلح پوش و صلح پاش و فوزیاب و فیض کام
معدلت فرمائے قصرِ دیں امیر المومنینؓ!
فخرِ ملّت، نازشِ تمکیں، امیر المومنینؓ!

اے زعیمِ ملک و ملت اے ندیمِ شاہِ دیں
تیرا نظمِ مملکت بیگانۂ تفریق و کیں
تیرے قدموں پر نچھاور افسر و تاج و نگیں
تیرے جلووں سے منوّر محفلِ علم و یقیں
تیرا سینہ عشق کے داغوں سے مالا مال ہے
تیری ذاتِ باصفا ملّت کو فرّخ فال ہے

تیرا پرتَو، پرتوِ مہرِ درخشانِ عرب
تیرا جلوہ رو کشِ شمعِ شبستانِ عرب
تیرا اسمِ محتشم آئینۂ شانِ عرب
تیرا عنوانِ کرم تصویرِ احسانِ عرب
تیرا مذہب صلح بھی ہے خدمتِ دینی بھی ہے
تیرا مسلک آبیاری بھی ہے گلُ چینی بھی ہے

اے مہیبِ تیغِ وحدت اے خطیبِ ہوشمند
پنجہ افگن قصرِ قسطنطین پہ ہے تیری کمند
کس قدر حسّاس تھی تیری نگاہِ ارجمند
بن گئی ہستی تری دنیا و دیں میں سربلند
رخصتی ملبوس تیرا خوانِ پیغمبرؐ کا ہے
آنکھ کی ٹھنڈک تراشہ ناخنِ سرور کا ہے

چترِ دیں سایہ فگن دنیا ترے زیرِ قدم
مصطفیٰؐ یاور ترا، حامی ترا ربِّ حرم
یہ حقیقت ہے تری چشمِ بصیرت کی قسم
رکھ لیا تیرے تدبّر نے سیادت کا بھرم
منجلی کس درجہ یہ آئینہ ادراک ہے
دورِ حق تیرا سبائی خرخشوں سے پاک ہے

اے خدیجہؓ ملکِ عرفاں اے شہِ عالی لقب — سلکِ مرواریدہے تیرا حسب تیرا نسب
تیری ہمشیرِ مکرّم زوجۂ شاہِ عرب — تیرا جلیش پُر حشم صد موردِ غفرانِ رب
لطفِ بے پایاں ترے بخشش بھی بے پایاں تری
نقشبندِ قوم ہے تہذیبِ زر افشاں تری

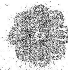
مرحمت تیری زہے مرہم نے سوزِ دروں — معدلت تیری دوائے نخوت و جوشِ جنوں
لطف تیرے ذرّہائے ریگِ صحرائے فزوں — عہد تیرا لالہ کار و لالہ زار و لالہ گوں
قصرِ دولت درس گاہِ علم و عرفاں بھی ہے
یہ ہے وہ یم جو سکوں پرور بھی طغیاں بھی ہے

ہم نشیں تیرے مدبّر لشکری تیرے جری — تیرے پرچم کے جلو میں دودمانِ حیدری
اللہ اللہ یہ ترا آوازۂ دیں پروری — لرزہ براندام رہتا تھا مذاقِ خود سری
نظمِ مستحکم ترا تعمیر آفاقی تری
رہتی دنیا تک رہے گی مرتبت باقی تری

ہیں تری عظمت کے قائل اہلِ دیں بے قال و قیل — حلقۂ بیعت میں داخل تیرے حسنینؓ و عقیلؓ
آتشی تیری سرورِ آسائے موجِ سلسبیل — پیروی تیری فلاحِ دین و دنیا کی دلیل
موجزن جذباتِ لطف و شوق تیرے دل میں ہیں
اللہ اللہ کس قدر طوفان اک ساحل میں ہیں

سہل تھا تیرے لیے عرفاں کا مضمونِ ادق — شاہکارِ آگہی سیرت کا تیری ہر ورق
تجھ سے شاداں مصطفیٰؐ خورسند خود ربّ الفلق — تیری بخشش کی گواہی آیتِ رضوانِ حق
کیوں نہ یکساں ہو مذاقِ فقر و سلطانی تجھے
سونپ دی فطرت نے تہذیبِ خدادانی تجھے

السلام اے ارجمندِ محفلِ ناز و نیاز — السلام اے دردمند و حاملِ سوز و گداز
السلام اے فتح مند و واقفِ اسرار و راز — السلام اے حق پسند و حق نیوش و حق نواز
تجھ سے جب تک نسبتِ اخلاص ہی کامل نہیں
کوئی ہستی حلقۂ اسلام میں داخل نہیں



منظور شدہ محکمۂ تعلیم
(۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری 16321G مورخہ ۲ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری TBC 2281-247 مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء
(۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری 20676/9/29-9-58 مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو 15310-20/GM مورخہ ۳ مارچ ۱۹۶۷ء